لکھنؤ

تعمیرِ حیات

پندرہ روزہ

صدائے ایمانی

اخلاقی پستی کے اس طوفان بلاخیز کے خرابے جو پورے ملک اور معاشرے کو اپنے لپیٹ میں لے رہا ہے، کسی ڈیم کا خیال ہمارے دماغ میں نہیں آتا، نیل و فرات، راوی وجہلم اور گنگا وجمنا کے محدود سیلابوں کے نقصانات اور تباہ کاریاں تسلیم لیکن بداخلاقی، کرپشن، بے حیائی و بدمستی اور دولت کی پوجا کا جو سیلاب آج ہر سوسائٹی میں (مسلم غیر مسلم کی تفریق کے بغیر) گلے گلے بہہ رہا ہے۔ یہ اینٹ پتھر یا سیسہ اور فولاد کی کوئی سد سکندری نہیں خدا کے خوف دوسری زندگی کے یقین، حیا و غیرت، سچی انسانیت دوستی ضمیر کا محاسبہ اور سچائی و حق پرستی کی وہ سد ایمانی ہے۔ ان ڈیموں اور پشتوں سے کہیں زیادہ اہم ہے جو پانی کے بچاؤ یا پانی کی حفاظت یا آبپاشی اور بجلی کے لئے قائم کئے جاتے ہیں اور ان پر کروڑوں اور اربوں روپیہ، دل و دماغ کا سب سے قیمتی سرمایہ اور انسانی کاوش کا بہترین نچوڑ آسانی سے صرف کر دیا جاتا ہے۔

—— مولانا محمد الحسنی

۱۰ ستمبر ۱۹۸۶ء — سالانہ چندہ ۳۵ پینتیس روپیے — فی شمارہ ۱/۵۰

Regd No. LW/NP 56

Phone : 72336 73864

TAMEER-E-HAYAT

FORTNIGHTLY

NADWATUL-ULAMA. LUCKNOW-226007 (India)

جب خریدیں تب اصلی

نقلی نورانی تیل ہرگز نہ خریدیں

* اگر نورانی تیل کے لیبل پر لائسنس نمبر U-18/77 چھپا ہے تب اصلی ہے
* اگر کیپسول پر ٹریڈ مارک ہے تب مئو کا اصلی نورانی تیل ہے۔

اکثر دوکاندار دو کوڑی والا نقلی نورانی تیل بیچتے ہیں۔ نقلی بنانے والے اپنا صحیح نام پتہ چھپا کر غلط طور سے ہمارا مئوناتھ بھنجن کا پتہ لکھ فراڈ کرتے ہیں اور ہمارے اصلی نورانی تیل اور ٹریڈ مارک کے خلاف جھوٹا پروپیگنڈہ کرتے ہیں، اگر نورانی تیل کے لیبل اور کیپسول پر مذکورہ علامات نہیں ہیں تو بالکل نقلی اور جعلی ہے، ڈرگ انسپکٹر سے اسکی جانچ کرالیں، دوکانداروں کے فریب میں نہ آئیں۔ مذکورہ پہچان دیکھ کر ہمیشہ مئو کا اصلی نورانی تیل خریدیں۔

Noorani Tel

نورانی تیل
درد، زخم، چوٹ کٹنے، جلنے کی مشہور دوا

انڈین کیمیکل کمپنی مئوناتھ بھنجن۔ یوپی

نزلہ

خون صفا

CAFE FIRDOS

بمبئی شہر میں

عمدہ اور لذیذ کھانوں کے لیے

مغلائی، پنجابی، یوپی، اور چائینز طرز کی ڈشوں کے لیے

کرافورڈ مارکیٹ پر واقع

کافے فردوس

میں ضرور تشریف لائیں

ذائقہ دار اور عمدہ کھانے ہر وقت تیار ملیں گے

پرکیف ماحول، مستعد و چست سروس، خواتین کے لیے علاحدہ انتظام، جزوی ایرکنڈیشن

بمبئی میں

خالص گھی اور میوہ جات سے بھرپور مٹھائیاں اور حلویات

سلیمانی افلاطون

ڈرائی فروٹ برفی

بسکٹ

اور نان خطائیاں

سلیمان عثمان مٹھائی والے

مینارہ مسجد کے پیچھے، بمبئی

تعمیرِ حیات

لکھنؤ

پندرہ روزہ

مجلس صحافت و نشریات دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

جلد نمبر ۲۴ | ۱۰ ستمبر ۱۹۸۷ء مطابق ۱۵ محرم الحرام ۱۴۰۸ھ | شمارہ نمبر ۲۱

اداریہ

شمس الحق ندوی

ایک انٹرنیشنل تربیتی کیمپ میں شرکت

رابطۃ الجامعات الاسلامیہ اور انٹرنیشنل اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد پاکستان کی شرکت سے منعقد ایک انٹرنیشنل گرمائی تربیتی کیمپ میں شرکت کا موقع ملا، یہ کیمپ اسلام آباد سے تقریباً اسّی کلومیٹر دور یہاں کے مشہور سیاحتی اور موسم گرما گذارنے کے مقام مری سے ملحق پہاڑی علاقہ ایوبیہ خانسپور میں یکم تا ۲۹ جولائی ۱۹۸۷ء لگا تھا یہ علاقہ تقریباً نو ہزار فٹ کی بلندی پر واقع ہے جو تقریباً چھ ماہ برف سے ڈھکا رہتا ہے اور بقیہ چھ ماہ نومبر سے موسم اور موسم سرما میں ہونے والی بارش کے طرح ہوتے ہیں، یہ پورا علاقہ کیرد کے اونچے اونچے شاداب و سدابہار درختوں سے ڈھکا ہوا ہے۔ خانسپور اس علاقہ میں سب سے بلند ہے اس کے گرد و پیش کی پہاڑیاں اس سے نیچی، آباد اور سرسبز و شاداب ہیں بجلی پانی اور مواصلات کی سہولتیں مہیا ہیں۔ رات میں جب بجلی کے قمقموں سے یہ علاقہ جگمگانے لگتا ہے تو اس کا منظر دیدنی ہوتا ہے نیچے کی پہاڑیوں کا منظر ایسا حسین ہوتا ہے۔ جیسے آسمان کے تارے زمین پر اتر آئے ہوں۔ صبح کے سہانے وقت ایک خاص قسم کا پرندہ جو دیکھنے میں نہیں آیا جب اپنی پرکیف آواز میں تسبیح و مناجات میں مصروف ہوتا ہے تو سننے والا مست ہو جاتا ہے۔

بہر حال اس پر بہار اور ٹھنڈے مقام پر یہ کیمپ لگا تھا، اس میں شرکت کے لیے پاکستان و ہندستان کے علاوہ سعودی عرب مصر، سوڈان، عراق، مراکش، الجزائر، تونس، ملیشیا، انڈونیشیا اور دیگر کئی ملکوں کے نوجوان طلبہ اور یونیورسٹیوں کے پروفیسر شریک تھے، اس کیمپ کی ضیافت انٹرنیشنل اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد کر رہی تھی منتظمین نے مہمانوں کی راحت رسانی کا معقول انتظام کر رکھا تھا کپڑوں کی دھلائی سے لے کر دوا علاج کے لیے ڈاکٹر تک کا انتظام تھا کھانے اور ناشتہ کے لیے ایک معیاری ہوٹل کو ٹھیکہ دیا گیا تھا اس سلسلہ میں بس اتنی ہی کمی و شکایت تھی جو ٹھیکے کے کاموں میں ہوا کرتی ہے، چنانچہ کچھ دنوں بعد ٹھیکہ دوسرے ہوٹل والے کو دے دیا گیا۔

یہاں سردی تھی بارش بھی ہو جایا کرتی تھی اس لیے سردی کے بستروں کا پورا انتظام تھا۔ طلبہ اور اساتذہ کے قیام کا الگ الگ انتظام تھا لیکن کھانے ناشتے کا انتظام سب کے لیے یکساں اور ایک جگہ تھا اور سب مل جل کر ایک ساتھ بیٹھ کر کھانا کھاتے جو اسلامی مساوات کا مظہر ہوتا تھا، تاہم مختلف ملکوں کے مختلف الذوق مہمانوں کی ضیافت چار ہفتہ کی طویل مدت تک آسان کام نہیں اس لیے اگر کسی مہمان کے ذوق کی رعایت نہ ہو سکی ہو تو کوئی بڑی بات نہیں۔ مواصلات کے واسطے طلبہ کے لیے بس اور اساتذہ کے لیے کاریں موجود رہتی تھیں۔

مقصد :- اس کیمپ کا مقصد محض سیاحت اور نشستن و گفتن و برخاستن، نہیں تھا بلکہ اس کی غرض و غایت یہ تھی کہ دنیا کے مختلف ملکوں خصوصاً عالم اسلام کی یونیورسٹیوں کے طلبہ ایک جگہ جمع ہوں، اور ان کو اسلامی ذہن و فکر، اسلامی اخلاق اور اسلامی سانچہ میں ڈھالنے اور تربیت کرنے کا موقع میسر ہو،

آج کے طوفانی دور میں جب خود مسلمان جو عقیدہ تو رکھتا ہے لہ الخلق والامر۔ خدا ہی پیدا کرنے والا ہے اور اسی کا فرمان چلتا ہے۔ لیکن وہ عملاً یہ اعلان کرتا ہے کہ پیدا کرنا تو خدا کا کام ہے لیکن نظام زندگی کو چلانا ہمارا کام ہے اس کو ہم زیادہ جانتے ہیں اس میں اسلام کی رہنمائی نہیں چلے گی، اس میں ہماری عقل اور ہمارے تجربات چلیں گے۔

اس تربیت کی اشد ضرورت ہے چنانچہ اس کیمپ میں حسب ذیل باتوں پر زور دیا گیا تھا اور یہی اس کے اہم مقاصد تھے۔

۱- نوجوانوں کے اسلامی عقیدہ کو پختہ اور مضبوط بنایا جائے، ان میں اسلامی روح بیدار کی جائے۔

۲- ان میں عالمگیر اسلامی اخوت کا شعور بیدار کیا جائے اور بتایا جائے کہ دنیا کے مختلف علاقوں اور ملکوں میں بسنے والے مسلمان ایک جسم کی طرح ہیں کسی ایک ملک یا علاقہ کے مسلمانوں کو دکھ پہنچے تو پورا عالم اسلام اس کی کسک محسوس کرے۔

۳- کیمپ میں شریک نوجوانوں کی اخلاقی، روحانی، فکری اور خداداد صلاحیتوں کو پروان چڑھانے کی غذا فراہم کی جائے۔

نگرانِ اعلیٰ

مولانا ابو العرفان ندوی

مجلس ادارت

شمس الحق ندوی

محمود الازہار ندوی

خط و کتابت کا پتہ:

منیجر "تعمیر حیات"

پوسٹ بکس نمبر ۹۳

ندوۃ العلماء۔ لکھنؤ۔ انڈیا۔

زرِ تعاون

سالانہ : پینتیس ۳۵ روپے

ششماہی : پچیس ۲۵ روپے

فی پرچہ : ایک روپیہ پچاس پیسے

بیرونِ ملک

بحری ڈاک، ہوائی ڈاک : ۱۰ ڈالر

فضائی ڈاک

ایشیائی ممالک : ۲۰ ڈالر

افریقی ممالک : ۲۰ ڈالر

یورپ و امریکہ : ۳۰ ڈالر

نوٹ

ڈرافٹ سکریٹری مجلس صحافت و نشریات لکھنؤ کے نام سے بنائیں اور دفتر تعمیر حیات کے پتہ پر روانہ فرمائیں۔

اس دائرہ میں اگر سرخ نشان ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اس شمارہ پر آپ کا چندہ ختم ہو چکا ہے لہٰذا اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ دین و ادب کا یہ خادم، ندوۃ العلماء کا ترجمان، آپ کی خدمت میں پہنچتا رہے تو سالانہ چندہ مبلغ پینتیس روپے ارسال فرمائیے یہ آپ کی ذمہ داری ہے۔ چندہ یا خط بھیجتے وقت اپنا نمبر خریداری لکھنا نہ بھولیں۔

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہ

صہیونی منصوبے ناولوں کے رنگ میں

صہیونیت کے طرز عمل سے گہری واقفیت رکھنے والے لوگ بخوبی جانتے ہیں کہ اس کے قائدین اپنے بعض منصوبوں کی کچھ جھلک پہلے ناولوں اور فلموں وغیرہ کے ذریعہ پیش کرتے ہیں۔ اس سے ان کے پیش نظر کئی مصلحتیں ہوتی ہیں۔ [illegible] میں جبکہ شاہ ایران اپنے دور حکومت کے نقطۂ عروج پر تھا، اچانک مغربی بازاروں میں ایک ناول "The crash of 79" (۷۹ء کی تباہی) کے نام سے آیا۔ اس میں یہ دکھایا گیا کہ عراق نے شط العرب پر مکمل کنٹرول حاصل کرنے کے لیے اہواز اور آبادان وغیرہ پر حملہ کر دیا ہے۔ سعودی عرب اور دوسرے عرب ممالک عراق کی امداد پر کمربستہ ہو گئے ہیں۔ ایران نے عراق پر جوابی حملہ کر کے اس کے جنوب مشرقی علاقے پر قبضہ جما لیا ہے اور پھر خلیج کی دوسری ریاستوں اور سعودی عرب پر بھی حملے شروع کر دیے ہیں ..... یہاں تک کہ پورے خلیجی علاقے میں ایٹمی تابکاری پھیلنے سے زبردست جانی اور مالی تباہی پھیل جاتی ہے۔

یہ کتاب [illegible] میں چھپی تھی، اس کے ۳ سال بعد خلیج کی جنگ چھڑی جو کسی طرح ختم ہونے کو نہیں آتی اور ابھی اس کے ختم ہونے کی توقع کرنا اپنی ناواقفی کا ثبوت دینا ہے۔

اس کتاب کے بارے میں ڈیلی ٹیلیگراف نے اپنے تبصرہ میں لکھا تھا کہ "یہ ہے تو ناول ہی، مگر کل کلاں یہ کمر توڑ دینے والی حقیقت کا روپ دھار سکتا ہے"۔

اس کے بعد ایک اور ناول THE MAHDI (مہدی) کے نام سے منظر عام پر آیا جس میں دکھایا گیا کہ امریکہ، روس اور برطانیہ کی مشترکہ منصوبہ بندی سے ایک ایجنٹ "ابو قادر" کو مکہ معظمہ میں حج کے موقع پر مہدی بنا کر پیش کیا جاتا ہے ......

حال ہی میں ایک نیا ناول HOLY OF HOLIES (مقدس ترین) کے نام سے سامنے آیا ہے۔ اسے برطانیہ کی مشہور "گرانا ڈا پبلشنگ کمپنی" نے شائع کیا ہے اس میں اسلام کو [illegible] دیا گیا ہے جس کے وجود سے کرۂ ارضی کو نجات دلانے کے لیے ایک مہیب آپریشن کا منصوبہ بنایا جاتا ہے اس مشن میں روس، فرانس، برطانیہ، امریکہ اور اسرائیل کی خفیہ تنظیموں کے افراد شامل ہوتے ہیں۔ پانچ دیو قامت ہرکولیس جہاز جزیرۂ قبرص میں جمع کیے جاتے ہیں جن میں جوہری بموں کے علاوہ ایک خاص اعلان کا ٹیپ فٹ کیا جاتا ہے۔ اڑان سے پہلے مشن کے ارکان کو بتایا جاتا ہے کہ وہ ایسے خوش قسمت افراد ہیں جو مغرب کی مہذب تہذیب کے دفاع کی خاطر اور ایک غیر مہذب جاہل اور ظالم طاقت (اسلام) کو تباہ کرنے جا رہے ہیں اور یہ کہ تاریخ میں وہ مغرب کے ہیرو قرار پائیں گے۔ پھر عین حج کے دنوں میں جمعہ کے دن پانچوں جہاز قبرص سے اڑتے ہیں، راستہ میں وہ ایک جگہ اترتے ہیں، وہاں انھیں اسپیشل آٹو پائلٹ کے نظام سے آراستہ کیا جاتا ہے، پھر جہاز دوبارہ اڑان بھرتے ہیں۔ سب پائلٹ پیراشوٹ کے ذریعہ کود کر بحرۂ قلزم میں موجود برطانوی بحری جہاز پر جا اترتے ہیں۔ جہاز مکہ کی جانب اڑان جاری رکھتے ہیں۔ وہاں اسرائیل کی خفیہ تنظیم کے دو لبنانی ایجنٹ موجود ہیں جن میں سے ایک دروزی اور دوسرا عیسائی ہے۔ یہ ایجنٹ ان جہازوں کو حرم کعبہ کی طرف گائیڈ کرتے ہیں مسجد حرام پر چکر لگاتے ہوئے ہر طیارہ باری باری عربی میں ریکارڈ شدہ اعلان حجاج کو سناتا ہے۔ اعلان کا مضمون یہ ہے:-

"اللہ اکبر اللہ اکبر! میں علی ہوں۔ اور حضور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے پرتو کے طور پر نازل ہوا ہوں۔ میں ہی مہدی موعود ہوں۔ اے دنیا کے گنہگار بندو! اللہ تم سے سخت ناراض ہے کیونکہ تم نے اسلام کو بگاڑ دیا ہے اور اسلام اور اس کو مذاق بنا دیا ہے۔ لہٰذا اللہ نے تمہیں سزا دینے کا فیصلہ کر دیا ہے۔"

اس کے بعد کتاب میں جو کچھ ہے اسے سنانا آسان نہیں۔ بس اتنا اشارہ دل پر جبر کر کے سنائے دیتا ہوں کہ کتاب کے پلاٹ کے مطابق ہوتا یہ ہے کہ پانچوں طیاروں سے خفیہ جوہری بم پھٹتے ہیں ..... اور قیامت کی سی تباہی آ جاتی ہے، حرم کعبہ اور مکہ مکرمہ کا پورا شہر گیس میں تحلیل ہو جاتا ہے وہاں موجود ۲۰ لاکھ حجاج میں سے ۵ لاکھ فوری طور پر لقمۂ اجل بن جاتے ہیں ......

ان تینوں کتابوں میں جو کچھ افسانوی انداز سے لکھا گیا ہے، کسی کا جی چاہے تو اسے محض ناولانہ تخیل اور خیالی دنیا کی باتیں قرار دیدے اور کسی کو توفیق ہو تو اس افسانوی طرز بیان ہی کے ذریعہ سے صہیونی اور ان کے ایجنٹوں کے دماغوں میں ابلنے والے منحوس ارادوں اور تمناؤں کو جھانک کر دیکھ سکتا ہے۔

شمالی بہار ہولناک سیلاب کی زد میں

امارت شرعیہ بہار و اڑیسہ کی اپیل

شمالی بہار کے حالیہ سیلاب کی ہولناکی کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ لاکھوں افراد بے گھر ہو چکے ہیں، بھوک اور پیاس سے پریشان حال لوگ جنھیں کسی گھر کی چھت نصیب نہیں ہے۔ سڑکوں کے کنارے کھلے آسمان کے نیچے تیز دھوپ یا شدید بارش کا شکار ہیں۔ چھوٹے چھوٹے معصوم بچے بھوک اور پیاس سے تڑپ رہے ہیں۔ دو میل چار میل کی دوری تک کے لوگ ایک دوسرے کے حال سے ناآشنا ہیں نفسی نفسی کا عالم ہے اب جیسے جیسے پانی گھٹ رہا ہے اور حالات معلوم ہو رہے ہیں تو اندازہ ہو رہا ہے کہ ۱۹۳۴ء کے تاریخی زلزلے سے جو تباہی آئی تھی اس سے زیادہ بربادی اس سیلاب میں ہوئی ہے۔ بڑی آبادیاں ہوں یا چھوٹے دیہات، گرنے والے مکانات کی گنتی مشکل ہے، ہاں چند بچے ہوئے مکانات کو گنا جا سکتا ہے۔ سیلاب کی نذر ہو کر مرنے والے اور سانپ کے کاٹنے سے موت کے بعد اب کہیں کہیں وبائی امراض کے پھوٹ پڑنے کی خبریں بھی مل رہی ہیں۔ مٹی کے تمام مکانات اور بڑی بڑی حویلیاں بیٹھ چکی ہیں ان دردناک اور عبرت ناک حالات کی تصویر نہیں کھینچی جا سکتی۔ سرکاری امداد واقعات کی ہولناکی اور وسعت کے اعتبار سے قطعی ناکافی ہے۔

ان حالات میں ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم انسانیت کی خدمت اور مصیبت زدہ انسانوں کی مدد کے لیے آگے آئیں۔ اور بحیثیت خیر امت جو فرض اللہ نے ہم پر عائد کیا ہے ہم اس فرض سے عہدہ برآں ہوں۔ یہ ہمارا فرض ہے کہ ہم بلا لحاظ مذہب و ملت سبھی انسانوں کی خدمت کا فریضہ انجام دیں۔ اس سلسلہ میں امارت شرعیہ بہار و اڑیسہ نے کام شروع کر دیا ہے۔

مختلف علاقوں میں کام کے لیے مختلف ٹیمیں بنا دی گئی ہیں جو اپنے وسائل کے مطابق کام شروع کر چکی ہیں۔

فوری طور پر تیار کھانے کا انتظام، کپڑے کا نظم کیا جا رہا ہے۔ گرے ہوئے مکانات کا سروے کرنے کی ممکن حد تک کی کوشش کی جا رہی ہے۔ اس سلسلہ میں تمام ہی انسانوں سے اور خصوصیت کے ساتھ اہل خیر مسلمانوں سے یہ اپیل کی جاتی ہے کہ وہ آگے آئیں، مقامی طور پر نوجوان اس خدمت کے لیے منظم ہوں اور ملک کے سبھی اہل خیر سے درخواست کی جاتی ہے کہ اس اہم خدمت کے لیے جس پر لاکھوں روپے کا خرچ ہے آگے آئیں۔ خود اپنی طرف سے اور دیگر اہل خیر کی طرف سے زیادہ سے زیادہ رقم جمع کر کے

ناظم بیت المال امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ

کے نام پر بذریعہ ڈاک ارسال فرمائیں، بینک ڈرافٹ یا چیک پر صرف بیت المال امارت شرعیہ لکھیں

نظام الدین۔ ناظم امارت شرعیہ بہار و اڑیسہ، پھلواری شریف پٹنہ

۴:۔ نوجوانوں کو اجتماعی زندگی گذارنے کے مواقع فراہم کیے جائیں جہاں وہ اجتماعی اور معاشرتی زندگی کے اسلامی رنگ و آداب کا نقشہ پیش کریں اور اس کو اپنی زندگی میں برتنے کی صلاحیت پیدا کریں۔

۵:۔ امت مسلمہ جن مسائل و مشکلات سے دوچار ہے ان مسائل کا تعارف کرایا جائے اور ان کا حل پیش کیا جائے .... ان کو اپنانے اور ان میں اختصاص پیدا کرنے کی ان کے اندر روح بیدار کی جائے۔

۶۔ مختلف ملکوں اور یونیورسٹیوں کے نوجوان ایک دوسرے سے تبادلۂ خیال کریں ان کے مسائل و مشکلات سے واقف ہوں موجودہ حالات و مشکلات کی صحیح تصویر ان کے سامنے آئے، وہ معلومات حاصل بھی کریں اور معلومات بہم بھی پہنچائیں اور پھر تبادلۂ خیالات و معلومات کی روشنی میں اپنی صلاحیتوں کو بڑھانے اور اس سے اسلام و امت مسلمہ کو فائدہ پہنچانے کی فکر کریں۔

ان مقاصد سے فائدہ اٹھانے کے لیے اس کیمپ کا چوبیس گھنٹہ کا نظام الاوقات اس طرح تھا۔

۱:۔ نماز فجر کے بعد متصلاً کسی ایسی آیت قرآنی کی تفسیر جس سے احتساب نفس، دعوت و ارشاد، مرد مومن کا مقام اس عالم فانی میں اس کی ذمہ داری اور کردار کا پہلو سامنے آتا ہو۔

۲:۔ درس کے بعد طلبہ اور بعض پاکستانی و مصری اساتذہ ورزش کرتے۔

۳:۔ ساڑھے آٹھ بجے سے (محاضرہ) کسی اہم شخصیت یا موجودہ پروفیسر اور اساتذہ میں سے کسی کی تقریر ہوتی جس کا موضوع پہلے سے متعین ہوتا۔ تقریر کے بعد نوجوانوں کو سوالات کا موقع دیا جاتا تھا، یہ پروگرام ساڑھے دس بجے تک چلتا تھا اس کے بعد آدھ گھنٹہ کا وقفہ چائے نوشی کے لیے دیا جاتا۔ گیارہ بجے کے بعد دوسرا دور شروع ہوتا جس میں طلبہ خود کسی موضوع پر مناقشہ اور بحث مباحثہ کرتے یا باہم تعارف و تبادلۂ خیال ہوتا پروگرام کے اس حصہ کو مفید بنانے کے لیے طلبہ کو چھ گروپوں میں تقسیم کر دیا گیا تھا اور ہر گروپ کے ساتھ نگرانی و رہنمائی کے لیے تین تین اساتذہ مقرر تھے کہ ایک نہ حاضر ہو سکے تو دوسرا یا تیسرا کوئی نہ کوئی ضرور موجود رہے۔ طلبہ کی قوت گویائی اور بحث و مباحثہ کی صلاحیت کو بڑھانے والا یہ سلسلہ ساڑھے بارہ بجے تک رہتا اور اکثر ایک بج جاتا۔ اس کے بعد دوپہر کا کھانا ہوتا اور سوا دو بجے ظہر کی نماز باجماعت قریبی مسجد میں ادا کی جاتی اس کا اہتمام کیا جاتا کہ کیمپ کے تمام طلبہ نماز باجماعت ادا کریں ظہر کی نماز کے بعد عصر تک آرام و قیلولہ ہوتا عصر کی نماز ساڑھے پانچ بجے ہوتی اور اس کے بعد طلبہ کی ورزش کھیل کود اور جسمانی تربیت کا نظم ہوتا، یہ سلسلہ مغرب تک چلتا مغرب کی نماز باجماعت مسجد میں ادا کی جاتی اور نماز بعد پھر کوئی ثقافتی پروگرام ہوتا۔ مثلاً ٹیلی ویژن پر پاکستانی مصنوعات وغیرہ کی نمائش یا تاریخی مقامات کا تعارف، کبھی طلبہ کی ذہانت و معلومات کا جائزہ لینے کے لیے دینی، علمی، تاریخی اور معلوماتی سوالات کیے جاتے اور صحیح جوابات دینے والوں کو انعام بھی دیا جاتا۔

اسی طرح سے کبھی کبھی صبح کو ساڑھے دس بجے کے بعد والے وقت میں طلبہ کو کسی موضوع پر مقالہ پیش کرنے کا موقع دیا جاتا اور بہتر صلاحیت کا مظاہرہ کرنے والے طالب علم کو خصوصی سرٹیفکٹ دیا جاتا اور کبھی مختلف جامعات کے نمائندے اپنی جامعہ کا تعارف کراتے۔

یہ تھا اس کیمپ کے چوبیس گھنٹہ کا پروگرام جو تعارف و تبادلۂ خیال ایک دوسرے کے ملک کے حالات و مسائل کو جاننے اور سمجھنے کے لیے بہت مفید تھا، اس سے طلبہ کی مرعوبیت بھی ختم ہوتی ہے اور جرأت و بیباکی بھی پیدا ہوتی ہے۔

علاوہ ازیں خود پروفیسر اور اساتذہ حضرات کا باہمی تبادلۂ خیال بجائے خود بہت مفید ہوتا ایک دوسرے کے ملک کے حالات دینی، علمی اور دعوتی تحریکات کی نوعیت و افادیت کا اندازہ ہوتا اور اپنے خیالات پہنچانے کا بھی موقع ملتا۔

اس طرح سے کیمپ کا یہ چوبیس روزہ پروگرام بہت مفید رہا اور ضرورت ہے کہ اس طرح کے پروگرام ہوتے رہیں اور ان کو مفید بنانے کی کوشش کی جائے۔

اس وقت عالم اسلام جن حالات و خطرات میں گھرا ہوا ہے اور امت مسلمہ جن امتحانوں اور آزمائشوں سے گذر رہی ہے۔ ان میں از بس ضروری ہے کہ اس طرح کے مختلف ملکوں کے نوجوان طلبہ کو جمع کر کے ان کی صحیح دینی و فکری تربیت کا اہتمام کیا جائے، کہ یہی نوجوان مستقبل کے قائد و داعی اور حاکم و صاحب قلم و قرطاس ہوں گے۔

انھیں کی قلمی نگارشات یا سحر بیانی ملک و معاشرہ کو بنائے یا بگاڑے گی ہم کیوں نہ اس کی فکر کریں کہ وہ بنانے ہی کا کام کرنے کے لیے تیار ہوں، بگاڑنے والے کاموں اور منصوبوں سے ان کی طبیعت ابا کرے۔

صحیح تربیت نہ ہونے ہی کی وجہ سے اس وقت ملکوں اور حکومتوں سے لیکر عوامی سطح پر سماجی اور معاشرتی کام کرنے والوں میں اس صلاحیت و اسپرٹ کا فقدان ہے جس کی اس وقت ضرورت ہے ہر شخص اپنے انفرادی مسائل کو مقدم رکھتا ہے قومی اور ملی مسائل کی اول تو فکر نہیں اور اگر کچھ ہے بھی تو نمبر ۲ پر۔

رابطۃ الجامعات الاسلامیہ رباط اور انٹرنیشنل اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد کے ذمہ دار حضرات قابل مبارکباد ہیں کہ چھٹیوں کے زمانہ میں اتنا طویل پروگرام بنا کر اپنے کو مصروف رکھا اور اس کو مفید بنانے کی ہر ممکن کوشش کی یہ پہلا موقع اور تجربہ تھا اس لیے اس وقت جو کوتاہی یا خامی محسوس کی گئی ہو گی آئندہ اس سے احتراز کی فکر کرتے ہوئے اس کیمپ کو مزید موثر و مفید بنانے کی فکر کی جائے گی، کسی وجہ سے بددل ہو کر اسے ترک نہ کیا جائے گا۔

دراصل اس طرح کے اجتماعی کام بہت اچھی طرح اسی وقت انجام پاتے ہیں جب ہر شخص انفرادی طور پر اپنی ذمہ داری کو پوری طرح ادا کرنے کی فکر کرے جو کس و نشیط ہے

قوم و ملت کے معمار تیار کرنا آسان کام نہیں اس کے لیے بہت کچھ کرنا پڑتا ہے اور اس راہ میں بہت کچھ سننا بھی پڑتا ہے۔

جو لوگ صاحب عزم و ارادہ ہوتے ہیں وہ کہنے کی پرواہ نہیں کرتے عزم و ہمت کے ساتھ منزل کی طرف بڑھتے رہتے ہیں یہ نہیں دیکھتے کہ ہم کو کیا ملا بلکہ یہ دیکھتے ہیں کہ ہم نے کیا دیا۔

کیمپ میں اس کے مقاصد کے پیش نظر دیئے جانے والے چند محاضرات کا موضوع حسب ذیل تھا جن سے کیمپ کی افادیت کا کچھ اندازہ ہو سکے گا

۱:۔ دعوت کا مفہوم اور اسلام میں اس کا رول۔

۲:۔ مسلمان کی شخصیت سازی میں عبادتی قدروں کا حصہ۔

۳:۔ موجودہ اسلامی تحریکیں۔

۴:۔ قانون و فیصلہ میں شریعت کا نفاذ۔

۵:۔ اسلامی بیداری

۶:۔ مسلمان کی شخصیت سازی میں عقیدہ کی اہمیت۔

۷:۔ ہم شخصیت سازی کا کام کس طرح کریں۔

۸:۔ موجودہ عالم اسلام میں علم و تربیت۔

۹:۔ دعوت کے طریقے اور ان کے ذرائع۔

۱۱:۔ سیرت نبوی کا تعلیمی و تربیتی پہلو۔

کیمپ میں اوپر مذکورہ ملکوں کی باوقار شخصیتیں اور صاحب قلم حضرات شریک ہوئے رابطہ عالم اسلامی سعودیہ عربیہ کے سکریٹری جنرل عبداللہ عمر نصیف۔ رابطۃ الجامعات الاسلامیہ کے صدر اور جامعۃ الامام محمد بن سعود الاسلامیہ کے وائس چانسلر عبداللہ عبدالمحسن ترکی، انٹرنیشنل اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد کے چانسلر محمد افضل قابل ذکر ہیں۔ انٹرنیشنل اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد کے وائس چانسلر محمد حسین حسان اور نائب وائس چانسلر انوار حسین صدیقی قابل مبارکباد ہیں کہ اتنے مختلف ملکوں کے مہمانوں کو بلایا اور ایک مفید اور اچھے مقصد کے لیے اپنے کو مصروف و مشغول رکھا۔

بقیہ:۔ سوال جواب

کے خاوند کے لیے اس کے کمانے کا اجر ہے

(بخاری، ترمذی)

سوال:۔ ایک شخص صدقہ کرنے کے بعد جتاتا ہے اس کا یہ عمل شرعاً کیسا ہے؟

جواب:۔ کسی شخص کو صدقہ دے کر اسے تکلیف دینے یا اس پر احسان جتانے سے صدقہ باطل ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُبْطِلُوا صَدَقَاتِكُم بِالْمَنِّ وَالْأَذَىٰ۔

حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے کہ نبیؐ نے فرمایا تین شخص ایسے ہیں کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ نہ ان سے کلام کرے گا نہ ان کی طرف دیکھے گا اور نہ انھیں پاک کرے گا، اور ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا۔ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسولؐ ایسے لوگ تو تباہ و برباد ہو گئے آخر یہ کون سے لوگ ہیں فرمایا دے کر احسان جتانے والا اپنے تہبند کو غرور سے زمین پر گھسیٹ کر چلنے والا اور جھوٹی قسم کھا کر اپنا سودا بیچنے والا۔ (مسلم)

سوال:۔ کیا میت کو قبر میں اتارتے اور لٹاتے وقت دعا کرنا مستحب ہے؟

جواب:۔ ہاں میت کو قبر میں اتارتے اور لٹاتے وقت دعا کرنا مستحب ہے۔

زبان و ادب سے علماء دین کا رشتہ

اور اس میراث کی حفاظت

۶ ذی الحجہ ۱۴۰۶ھ بروز شنبہ بعد نماز مغرب حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی صدارت میں جمعیۃ الاصلاح کا افتتاحی جلسہ ہوا اس وقت مولانا مدظلہٗ نے زبان و ادب کی اہمیت پر جو بصیرت افروز تقریر فرمائی وہ ہدیہ ناظرین ہے۔

ہماری تاریخ میں بعض ایسے بھی دور گذرے ہیں جن میں علماء علوم دینیہ کے سمندر میں ڈوبے رہے اور ان میں تبحر پیدا کیا لیکن انہوں نے دنیا سے کوئی ایسا رابطہ قائم نہیں رکھا جس سے زمانہ کے طریقہ فکر اور نئی نسل کے رجحانات سے واقف ہوں اور صرف دین کی ترجمانی ہی کا فریضہ انجام نہ دیں بلکہ زمانہ پر اثرانداز ہوں اور اسے صحیح رخ دے سکیں۔ ان اوقات میں علماء و عوام کا رشتہ کٹ چکا تھا اور دونوں میں خلیج پیدا ہو گئی تھی جو جدید اور قدیم تعلیم یافتہ طبقہ کے درمیان محاذ آرائی کی شکل میں رونما ہوئی۔

سید صاحب نے فرمایا تھا کہ اس وقت اسلامی ممالک کا حال یہ ہے کہ گاڑی میں دو گھوڑے ایک دوسرے کے مخالف سمت میں جوڑ دیئے گئے ہیں جن میں ایک جدت کی طرف اور دوسرا قدامت کی طرف کھینچ رہا ہے، تمام ممالک اسلامیہ میں یہی صورت حال پیش آئی۔ علماء اپنے حصار میں محصور ہو کر رہ گئے، علماء ازہر کا بھی یہی حال تھا وہ اپنے علوم میں متبحر تھے انھیں سند کا درجہ حاصل تھا لیکن انہوں نے اپنے کو اس چیز سے بے تعلق کر لیا تھا کہ اس زمانہ میں کون سا اسلوب پسند کیا جاتا ہے زبان و ادب کا کون سا طرز نوجوانوں کو اثرانداز ہوتا ہے اور جیتی جاگتی زبان میں کس طرح خیالات ادا کیے جاتے ہیں اس میں کس طرح دلآویزی اور ساحری پیدا کی جاتی ہے جو دلوں کو موڑ دے، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ زبان و ادب کی قیادت اس طبقہ میں چلی گئی جسے یا تو دین کے بہت سے اصولوں سے اتفاق نہیں تھا اس نے دینی تربیت نہیں پائی تھی، دین کے بارے میں اس کے اندر احترام کا وہ جذبہ نہیں تھا جو ایک دین سادی کے بارے میں ہونا چاہیے۔ اور یا تو اپنی مغربی تعلیم کی وجہ سے اور خاص طور سے نپولین کے حملے کے بعد ایک پوری نسل ایسی پیدا ہوئی جس نے یورپ کا رخ کیا خصوصاً فرانس کا اور فرانس کا مزاج برطانیہ کے یا دوسرے مغربی ممالک کے مزاج سے مختلف ہے اس میں زبان کی آزادی اور فکری آوارگی پائی جاتی ہے۔

تو جب یہ نسل اپنے علاقوں میں لوٹی تو اس نے ایسا لٹریچر تیار کیا جو زبان کی شگفتگی اور مغربی چیزوں سے واقفیت اور مستشرقین کے خیالات کی نمائندگی کی وجہ سے بہت زیادہ اثرانداز ہوا اور اسی کے ساتھ بعض عرب مصنفین نے مستشرقین کے خیالات کو اپنے الفاظ میں پیش کیا جیسے مارگیولس کی کتاب کا چربہ طٰہٰ حسین نے الشعر العربی کے عنوان سے پیش کیا اور بعض ناقدین نے مقابلہ کر کے دکھایا ہے کہ جو طٰہٰ حسین نے لکھا ہے وہ ایک مغربی مصنف کے خیالات لے لیے ہیں اور اچھی عربی زبان میں شگفتہ اسلوب میں منتقل کر دیا ہے،

اسی طرح "المرأۃ المصریۃ" کتاب لکھی گئی اس میں سابقہ بے حجابی اور عورت کی آزادی کی دعوت دی گئی جو مغربی خیالات و تصورات کا نتیجہ تھی اسی طرح اور بہت سی کتابیں لکھی گئیں جس سے اس موضوع کا پورا لٹریچر تیار ہو گیا ادھر علماء ازہر اپنے محدود حصار میں تھے وہ اس میں نحوی غلطیاں نکالتے تھے اور زبان کی نشاندہی کرتے تھے اس لیے یہ ادباء تھوڑا سا ڈرتے تھے، لیکن علماء نے اس کا مثبت اور متبادل حل نہیں پیش کیا نتیجہ یہ ہوا کہ جدید نسل زبان و ادب کی گرفت سے بالکل آزاد ہو گئی اور زبان و ادب اور آزاد خیالی دونوں لازم و ملزوم چیز ہو گئے۔

پھر زبان و ادب اور آزادانہ طریقہ فکر نے اسلامی اصولوں، اسلامی مسلمات اور اسلامی نظام معاشرت کے سلسلہ میں ایک متشکک طبقہ پیدا کر دیا یہ صورت حال بڑی خطرناک تھی چنانچہ جب بھی اس طبقہ کے ہاتھ میں کوئی قیادت آگئی وزارت تعلیم آگئی یا کوئی وزارت تربیت وزارت اعلام آگئی تو اس کے اثرات پورے مصری معاشرہ پر پڑے اور مصر کو چونکہ قیادت کا درجہ حاصل تھا اس لیے پورے عالم عربی اور پورے عالم اسلام پر اس کا اثر پڑ رہا تھا۔ اور ہمارے طالبعلمی کے زمانہ میں جب مولانا مسعود عالم ندوی مولانا ناظم صاحب ندوی وغیرہ پڑھتے تھے تو مصر سے جو نئی مطبوعات اور کتابیں آتی تھیں ان سے معلوم ہوتا تھا کہ معرکہ دین کے خلاف کھل کر محاذ آرائی قائم ہو گئی ہے اس کا اثر جدید فرقہ پر بہت ہی انتشار انگیز ہوا اس کی وجہ یہ تھی کہ وہاں کے علماء دین نے زبان و ادب کو اپنے مقام سے فروتر سمجھا اور اس پر اپنا اثر و رسوخ اور اس حلقہ میں احترام کا تصور قائم نہیں کیا جس کے نتیجہ میں یہ صورت حال پیش آئی خدا کے فضل سے ہندوستان میں یہ صورت حال پیش نہیں آئی، جیسا کہ میں نے رابطہ ادب اسلامی کے جلسوں میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا کہ ہندوستانی مسلمانوں کی خوش قسمتی تھی کہ یہاں کے علماء نے کسی دور میں بھی زبان و ادب سے اپنے کو غیر متعلق اور بیگانہ نہ ہونے دیا۔

انھوں نے ایسا نظام تعلیم بنا دیا جس نے پڑھے لکھے طبقہ کو پیدا کیا، علماء کو نہیں پڑھے لکھے طبقہ، اس میں دین اور زبان و ادب دونوں لے ہوئے تھے، اس وقت کا نصاب اٹھا کر دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ سلار نصاب کی کتابوں کے ذریعہ زبان کی ضروری چیزوں سے واقف ہو جاتے تھے، میں آپ کو ایک مثال دوں، دہلی میں مشاعرہ ہونے والا تھا، استاد ذوق نے شاہ نصیر کی غزل پر غزل کہی اور شاہ نصیر کو دکھائی شاہ نصیر نے دیکھا تو اس میں ہمسری اور مقابلہ کی کوشش تھی تو شاہ نصیر نے ایسا طرز اختیار کیا کہ استاد ذوق کو شبہ ہو گیا کہ اس میں خامیاں تو نہیں ہیں تو انہوں نے اسے شاہ عبدالعزیزؒ کے پاس بھیجی کہ حضرت فرمائیں کہ اس میں کچھ خامیاں تو نہیں ہیں، شاہ صاحب نے دیکھا اور یہ کہہ کر بھیجوا دیا کہ بے تکلف اطمینان کے ساتھ یہ غزل پڑھی جائے۔ شاہ عبدالعزیزؒ کا یہ کہہ دینا کافی تھا اور اس کے بعد ضرورت نہیں تھی کہ کسی اور کو دکھائی جائے۔ آپ خیال کیجئے کہ استاد ذوق جو بادشاہ کے بھی استاد ہیں اور صاحب آب حیات کے استاد ہیں اور کتنے استادوں کے استاد ہیں .... ادھر شاہ نصیر الدین کے زمانہ کے استاد ہیں لیکن صرف ایک خالص عالم دین محدث وقت فقیہ دوراں کے محاکمہ پر اطمینان کر لیتے ہیں یہ خوش قسمتی تھی یہاں کے مسلمانوں کی کہ یہاں کے علماء دین، زبان و ادب اور شاعری کے جدید اسلوب سے الگ نہیں ہوئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ نئی نسل اس خطرہ سے بچ گئی جس سے دوسری جگہوں پر دوچار ہونا پڑا۔

آپ کو معلوم ہے کہ عمارت اردو کے چار ستون مانے ہوئے علماء ہیں یعنی علامہ شبلی، مولانا محمد حسین آزاد، ڈپٹی نذیر احمد اور مولانا حالی۔ یہ سب طبقہ علماء سے ہیں جنھوں نے قدیم نصاب کی کتابیں پڑھیں اور ضروری حد تک دین و ادب دونوں سے واقف تھے، میرے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ الاصلاح کا دائرہ عمل صرف اتنا ہی نہیں ہے کہ تقریر و تحریر میں حصہ لیا جائے، مقالوں میں حصہ لیا جائے بلکہ اس سے بڑھ کر یہ قیمت معنی میں ملک کی زبان و ادب سے ایسا تعلق پیدا کیا جائے کہ دین کے خلاف محاذ آرا اور برسر جنگ نہ ہونے دیا جائے اور دین کو ایسی زبان اور ایسے اسلوب میں پیش کیا جائے کہ ادبی ذوق رکھنے والا بھی نہ صرف یہ کہ اس کو پڑھنے پر آمادہ ہو بلکہ اسکو اس میں چاشنی محسوس ہو۔ اس کا ادبی ذوق اور ادبی حاسہ اس سے غذا حاصل کرے تو الاصلاح کو میں غرض اور لکھنے والوں کی ایک متوسط درجہ کی جماعت تیار کرنے کا ادارہ ہی نہیں سمجھتا بلکہ اس سے وسیع تر معنی میں ہمارے علماء ملک کی زبان و ادب کے جدید اسلوب سے واقف ہوں، زبان و ادب سے ہمارا رشتہ ٹوٹنے نہ پائے اور صرف ٹوٹنے نہ پائے بلکہ زبان و ادب ہماری ضرورت محسوس کرے اور ہم سے رہنمائی حاصل کرے، چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ آج سے پچاس برس پہلے انجمن ترقی اردو کا جلسہ ہوتا یا کوئی ادبی مجلس اس بات پر فخر محسوس کیا جاتا تھا کہ اس میں سید سلیمان ندوی شریک ہوں یا مقالہ پڑھیں یا مولانا .... حبیب الرحمٰن خاں شیروانی اس کی صدارت کریں اور اس میں شرکت فرمائیں آپ دیکھئے کہ گویا رہنما

(بقیہ صفحہ پر)

ایڈز کے علاج کا نسخہ
تین قرآنی لفظوں میں

ڈاکٹر عبد اللہ عباس ندوی

اس زمانہ میں اگر کوئی یہ کہے کہ انسان ایک عاجز و لاچار مخلوق ہے، اور درد و رنج اس کی زندگی کا لازمہ ہے، موت سے پہلے غم سے نجات پانا اس کے مقدر میں نہیں ہے تو ایسے آدمی کو کتنا سادہ لوح، ناواقف اور دنیا کی رفتار ترقی سے نابلد سمجھا جائے گا؟

بر و بحر ہی نہیں فضا اور خلا پر جو انسان حکومت کرتا ہو کون اس کو عاجز و ناتوان کہہ سکتا ہے؟ جس کی عقل نے الیکٹرونک عقل ایجاد کر کے اپنی "قوت تخلیق" کا سکہ جما دیا ہو، ایسے کمپیوٹر بنا دیے ہوں جس کے ایک بٹن پر انگلی رکھتا ہے اور وہ کام جو مہینوں میں ہوتے تھے اور جس کو سیکڑوں آدمی مل کر انجام دیتے تھے وہ سکنڈوں میں مکمل ہو جاتے ہیں۔ طب جدید کی ترقی، سرجری کے محیر العقول کارنامے، راکٹ، بم، ریڈیو، ٹیلی ویژن، ٹیلی پرنٹر، ٹیلکس، مصنوعی سیارے کوئی کہاں تک گنائے اور کس کس ایجاد کا نام لے، مواصلات نے تو وہم و گمان سے بھی آگے قدم بڑھا دیے ہیں، فوٹو اسٹیٹ کی ایسی مشین ایجاد ہو چکی ہے کہ امریکہ میں مشین پر کاغذ دبایئے اور جاپان میں صرف چار سکنڈ کے اندر اتار لیجیے، کوئی انتہا ہے اس مشت خاک کے عروج کی؟ پھر بھی آپ کہے جا رہے ہیں کہ انسان عاجز و لاچار ہے یہی نہیں بلکہ قرآن پاک کی آیت بھی پڑھتے ہیں۔

وَوَالِدٍ وَّمَا وَلَدَ، لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِيْ كَبَدٍ

اور قسم ہے باپ اور اولاد کی کہ ہم نے انسان کو بڑی مشقت کے لیے پیدا کیا ہے۔ اور یہ بھی نہیں سوچتے کہ "روشن خیال" اور ترقی پسند قسم کے لوگ کیسی ہنسی اڑائیں گے، روس اور امریکہ کی بات کرنے والے ان آیات پر ایمان لانے والوں کو کس درجہ رجعت پسند، بلکہ اوہام پرست سمجھیں گے۔ کیونکہ ان کو انسان کی بر و بحر فضا اور خلا پر حکومت تو نظر آتی ہے مگر ان قوتوں کا مذاق اڑانے والی "قدرت" نظر نہیں آتی۔ وہ یہ تو بڑے فخر سے اعلان کرتے ہیں کہ انسانی جسم کی مشینری پر انھوں نے مکمل قابو پا لیا ہے مگر اس قدرت کا اعتراف نہیں کرتے جو روز نت نئی بیماریاں پیدا کر کے ان کے دماغ کو جھنجھوڑتی ہے، کسی زمانے میں دق سل کی بیماری کو موت کا پیام کہا جاتا تھا، ... پھر کہا گیا کہ اس پر قابو پا لیا گیا، مگر سرطان ناقابل حل مسئلہ بن گیا ہے۔ خون کا کینسر، اعصاب کا کینسر، دماغ کا کینسر، کینسروں کا ایک سلسلہ سامنے آ گیا، ابھی اس سے نجات نہیں ملی کہ اب "ایڈز" کی لعنت سامنے آ گئی اور لعنت تو ہم آپ رجعت پسند قسم کے لوگ کہتے ہیں یہ تو تہذیب جدید کا تحفہ ہے جو متمدن دنیا کو عطا ہوا ہے افریقہ میں پھیل رہا ہے یورپ و امریکہ میں برگ و بار لا رہا ہے اور مشرق کی طرف بڑھ رہا ہے۔

انسان کی درماندگی، عجز و لاچاری کا تماشہ دیکھنا ہو تو یہاں دیکھیے انسان کے اندر قدرت نے مرض دور کرنے اور اس کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت ودیعت کی ہے، عربی میں اس قدرت کو "مناعۃ" کہتے ہیں، انگریزی میں اس کا ترجمہ IMMUNITY کیا جاتا ہے، عمر طبعی، طویل علالت یا ناگہانی کسی حادثہ کی بنا پر قوت مناعۃ جواب دے جاتی ہے لیکن یہ بیماری نام ہی ہے اس قوت کے فیل ہو جانے کا، اور یہ بر و بحر کے حاکم انسان راکٹ اور بم بنانے والے انسان کی درماندگی اور عجز کی انتہا دیکھیے کہ یہ عذاب قانون قدرت کے مطابق نہیں بلکہ قانون قدرت کی خلاف ورزی پر نازل ہو رہا ہے جس کو وہ جان رہا ہے اور خوب سمجھ رہا ہے کہ یہ علت اس کی اپنی حاصل کردہ ہے ایڈز کا پہلا حرف A مخفف ہے ACQUIRED کا یعنی اپنا حاصل کردہ، ذرا تصور کیجیے اس عجز و درماندگی کا ایک آدمی کروڑوں بلکہ اربوں کی دولت رکھتا ہے عیش و عشرت کا جو تصور اہل دنیا کر سکتے ہیں وہ اس کو حاصل ہے مگر جب اس خود کردہ مصیبت میں گرفتار ہوتا ہے تو کتوں (یورپ کے کتے نہیں، بلکہ ہمارے مشرقی ملکوں میں گلیوں میں پھرنے والے کتے) سے زیادہ پلید سمجھا جاتا ہے، ایک چارٹرڈ ہوائی جہاز سے تنہا سفر کرتا ہے۔ کیونکہ کوئی کمپنی اپنے جہاز میں جگہ دینے کو تیار نہیں تھی۔ اور بالآخر ہلاک ہوا، یہ تھا ہالی وڈ کا مشہور ایکٹر ROCK HUDSON مرض کا سبب کیا تھا؟ اس کی ناداری اور ناتوانائی، ایک سفلہ پن کا نتیجہ، نفس کے مقابلہ میں شکست! اس مرض سے بچنے کے طریقوں پر آجکل ریسرچ ہو رہا ہے، رات دن کام ہو رہا ہے، سیکڑوں سیمینار ہو چکے ہیں، دنیا کے ماہرین فن تجربہ پر تجربہ کر رہے ہیں، ڈور کو سلجھا رہے ہیں اور سرا نہیں مل رہا ہے،

۱۹۸۵ء کے آخر میں ایک سیمینار اسی موضوع پر سوئٹزرلینڈ میں تھا۔ اس میں یہ مسئلہ زیر غور تھا کہ ایڈز کے مریض کو زہر کا انجکشن دے کر اگر ہلاک کر دیا جائے تو اس پر رحم ہوگا کیونکہ اس کا ہلاک ہونا یقینی ہے۔ جب تک وہ زندہ رہتا ہے دوسروں کے لیے مصیبت اور اپنی ذات کے لیے اذیت بنا رہے گا، لیکن انشورنس کمپنیاں آڑے آگئیں اس کے ڈاکٹروں نے کہا کہ یہ قتل عمد ہوگا۔ اس کو ہلاک کرنے کے بجائے کوما (غشی) کی حالت میں رکھا جائے اس کی سانس جب تک چل سکتی ہے چلنے دی جائے۔

ان ماہرین فن اور ڈاکٹروں کو کون بتائے کہ اس مرض کا علاج اور اس سے بچنے کا فارمولا صرف تین لفظوں میں قرآن نے چودہ سو برس پہلے بتا دیا تھا، وہی فارمولا اور تنہا وہی فارمولا آج بھی ان کو اس مصیبت سے نجات دلا سکتا ہے۔ لاتقربوا الزنیٰ (زنا کے قریب نہ جاؤ) اور اسی قرآن میں قوم لوط کے ہلاک کیے جانے کی داستان بھی موجود ہے۔ اور اب تو یہ بات سمجھ میں آ گئی ہوگی کہ قرآن میں جو گذشتہ قوموں کے قصے اور ان کے ہلاک ہونے کے واقعات بیان کیے گئے ہیں اس کا مقصد قصہ سنانا یا تاریخ کی کہانی دہرانا نہیں تھا بلکہ اس انسان کو متنبہ کرنا تھا جو آج بھی اسی درجہ کمزور و ناتواں ہے جس طرح پچھلی صدیوں میں تھا اور جب تک انسان رہے گا اسی ساخت میں رہے گا جس پر اس کی تخلیق ہوئی ہے۔ یہ بات جس قدر جلد اس کی سمجھ میں آ جائے اسی درجہ اس کے حق میں بہتر ہے۔ ••

مولانا سید ابو الحسن علی حسنی ندوی مدظلہ کی فکر انگیز تصنیف

دین اسلام اور اولین مسلمانوں

کی

دو متضاد تصویریں

(عقائد اہل سنت و عقائد فرقہ اثنا عشریہ کا تقابلی مطالعہ)

سید المرسلین خاتم النبیین (صلی اللہ علیہ وسلم) کے علو شان، بعثت عظمیٰ کے مقاصد و نتائج انسان کی فطری صلاحیت و اصلاح پذیری کی رو سے، اور غیر جانب دار تاریخ کی شہادت کی روشنی میں کون سی تصویر (دعوتی و اصلاحی کام کرنے والوں کے لیے) حوصلہ افزا، ہمت آفریں، اور ایک صاحب انصاف کے لیے قابل قبول اور مطابق واقعہ ہے؟ تاریخ کا ایک حقیقت پسندانہ جائزہ اور خمینی صاحب کے حامیوں کے لیے دعوت فکر۔

معیاری کتابت، اعلیٰ آفسٹ طباعت قیمت اردو ایڈیشن دس روپے۔ عربی، انگریزی اور فارسی ایڈیشنوں کی قیمت ہماری فہرست کتب یا دفتر سے معلوم کریں۔

مجلس تحقیقات و نشریات اسلام پوسٹ بکس ۱۱۹ لکھنؤ

گذارش

خط و کتابت نیز منی آرڈر کرتے وقت اپنا خریداری نمبر کا حوالہ دینا نہ بھولیں خریداری نمبر یاد نہ ہونے کی صورت میں کم سے کم جس نام سے آپ کا محبوب رسالہ جاری ہے اس کی وضاحت ضرور فرمائیں منی آرڈر کوپن پر صاف صاف خوشخط پتہ لکھیں اگر جدید خریدار ہوں تو اس کی صراحت ضرور کریں جواب طلب امور کے لیے جوابی خطوط ارسال فرمائیں شکریہ۔ منیجر

اسلامی ادب
اور
کچھ دوسرے ادبی نظریے (آخری قسط)

مولانا سعید الرحمٰن الاعظمی ندوی
استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء و مدیر البعث الاسلامی (عربی ماہنامہ)

اسلامی ادب کی تقلید

میں سمجھتا ہوں کہ اسلامی ادب کے یہ اجزائے ترکیبی اسی نظریے کا عطیہ ہے اور اس کی تقلید کم و بیش دنیا کے تمام آداب کو کرنی پڑی، کوئی ادب ان عناصر سے بے پروا ہو کر کامیابی کی منزل تک نہیں پہونچ سکتا، اس لیے کہ ادب بحیثیت ادب اس بنیادی ترکیب سے کبھی دست بردار نہیں ہو سکتا، جو لوگ ادب برائے ادب کے قائل ہیں وہ بھی ان عناصر کو اپنے ادب کے لیے ضروری سمجھتے ہیں ان کا مقصد خواہ جو بھی ہو اور وہ کتنا ہی وقتی اور عارضی کیوں نہ ہو لیکن ادب کہلانے اور ادبی حیثیت سے اسے پیش کرنے کے لیے اسلامی ادب کے اجزائے ترکیبی کی تقلید ناگزیر ہے، یہ الگ بات ہے کہ وہ ان عناصر میں مرکزی تصور اور مقصدیت کی روح کو بنیاد پرستی یا فکری جمود سے تعبیر کرتے ہیں۔

مغرب کی مادہ پرستانہ زندگی اور مادی تہذیب کے نتیجہ میں جتنے ادبی نظریے ظہور پذیر ہوئے بنیادی اعتبار سے اسلامی ادب کے نظریہ سے ماخوذ ہیں، فرق یہ کیا گیا ہے کہ ان نظریات کو کہیں جنس و جمال کے نقطہ پر مرکوز کیا گیا۔ اور کہیں جذبات و احساسات کو جمالیات کا لبادہ اڑھا کر اس کو ادب کا نام دیا گیا ہے، اور کہیں عقل و فلسفہ کے رخ پر ادب کا غازہ مل کر خدا و آخرت کا انکار کیا گیا ہے اور انسان کو صرف ایک مادی اور وجودی جانور قرار دے کر اسے عیش کوشی کی کھلے عام دعوت دی گئی ہے۔

بابر بعیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست

اسلامی ادب میں التزام (وابستگی کا مسئلہ)

اسلامی ادب خالص اسلامی بنیادوں پر قائم ہے اور جیسا کہ اوپر عرض کیا ادب کا فنی تصور بھی اسلامی تعلیمات اور سرچشمۂ رشد و ہدایت، کتاب و سنت کا خاص عطیہ ہے، ادب ایک عربی لفظ ہے اس کا لغوی مفہوم تو اسلام سے پہلے بھی موجود تھا، لیکن ظہور اسلام کے بعد چونکہ اسلام نے زندگی کے تمام آداب سکھائے اور ہر جزو و کل کو اس کے تابع کیا نیز زندگی، کائنات اور انسان کی تعبیر پوری وضاحت کے ساتھ نہایت خوبصورت اور دلکش انداز میں کی اور ہر ایک کا موقف اس کا مشغلہ اور اس کے مقام کو متعین کیا، اس کا اسلوب فن و جمال کی تمام خوبیوں سے آراستہ تھا۔ اس کے عناصر ترکیبی ہر اعتبار سے نہایت مکمل اور متوازن تھے اس لیے وہ فنی ادب کا بہترین نمونہ ہے، اور اس کی بنیاد پر ادب کی خوبصورت عمارت قائم ہے۔

بنابریں اسلامی ادب ہی دراصل دنیا کے تمام آداب اور اس کے لٹریچر کا مبدأ ہے۔ اس سے پہلے کسی زبان میں ادب کیا اس کے ہم معنی کسی لفظ کا تصور موجود نہیں تھا۔ یونانی اور رومن ادب بھی ثقافت اور فن یعنی کلچر اور آرٹ یا فنون لطیفہ کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا، یہاں تک کہ اسلام، ادب عالی کے عظیم ترین تحفہ کے ساتھ طلوع ہوا۔ اور اس کے بعد سے ادب کے ہم معنی الفاظ اور اصطلاحیں تمام زبانوں میں رائج ہوئیں، چنانچہ انگریزی اور فرانسیسی زبان میں بھی لٹریچر کا لفظ اسلامی ادب کے دریافت ہونے کے بعد رائج ہوا یہ اصلاً لاطینی لفظ LITERA سے مشتق ہے، اور اسی طرح جرمن اور روسی اور دیگر تمام زبانوں میں ادب کے ہم معنی الفاظ رواج پذیر ہوئے۔

اس مختصر تفصیل کے بعد یہ کہنا ذرا بھی دشوار نہیں ہے کہ اسلامی ادب بذات خود ادب ملتزم ہے یعنی اعلیٰ اخلاقی قدروں پر مبنی اور اس سے وابستہ ہے بلکہ خود لفظ ادب اس کلیہ سے مستثنیٰ نہیں ہے لیکن زندگی اور کائنات کے صحیح تصور کو ختم کرنے اور اس کے بلند مفہوم اور مرتبہ کو گھٹانے اور اس میں خلط ملط پیدا کرنے کی کوششیں اسلام مخالف طاقتوں اور مادہ پرست قوموں کی طرف سے ہوئیں، اسی طرح ادب کو ایک عام انسانی نظریہ قرار دے کر اس کو اپنے صحیح اور فطری مفہوم سے الگ کرنے اور اسلام سے جو اس کا براہ راست رشتہ تھا اس کو کاٹنے کی کوششیں کی گئیں، اور فلسفۂ ادب کی خوبصورت اصطلاح کے پردے میں اس کو اسلامی روح سے الگ کر دیا گیا۔ یہاں تک کہ ادب ایک بدنام اصطلاح ہو گئی اور وہ عام لوگ اس کا مقصد محض زبان کی چاشنی تک محدود رکھنے لگے اور اسے تفریح طبع کا ذریعہ سمجھنے لگے خود مسلمانوں کے مذہبی طبقے میں ادب ایک غیر ضروری اور بے مقصد فن کا نام ہو گیا اور اس سے اشتغال رکھنے والوں کو دنیا سے قریب اور دین سے دور تصور کیا جانے لگا۔

مغربی فنکاروں کی یہ بڑی کامیابی تھی کہ انھوں نے مسلمانوں کے ذہن میں ادب کا یہ غلط مفہوم داخل کر دیا اور اس کو مذہب سے الگ تھلگ محض دنیاوی شہرت حاصل کرنے اور دنیا کمانے کا فن باور کرا دیا۔ اس کامیابی کی جڑیں زیادہ مضبوط اور گہری کرنے کے لیے انھوں نے ادب کو مختلف مادی نظریات میں تقسیم کر دیا۔ اور تنقید ادب کو ایک مستقل فلسفہ کی شکل دے کر اور اس کے فرضی اصول و ضوابط بنا کر تعلیم یافتہ طبقہ کو مسحور کر لیا۔ پھر ادب اور تنقید کے متعدد مکتب فکر قائم ہوئے، اور اسلام سے اس کو اس حد تک دور رکھا گیا کہ اسلامی ادب کا نام لینا ایک مضحکہ خیز بات ہو گئی اور اسلام کی طرف اس کی نسبت کرنا تو جرم کی حد تک ایک نازیبا حرکت سمجھی جانے لگی۔ ادب کے بارے میں اس تصور کو مستحکم کرنے کے لیے اہل مغرب نے جو مادی نظریے قائم کیے، اور ان کی نشر و اشاعت پر جو طاقت صرف ہوئی اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اب تک ادب کے بے شمار نظریے، تحریکیں اور مکاتب فکر قائم ہو چکے ہیں اور برابر اس میں فلسفیانہ نقطہائے نظر کا اضافہ ہوتا جا رہا ہے اور ادب کے نام پر ضلالت، مذہب بیزاری عام کی جا رہی ہے اور حیات و کائنات کو محض وقتی لذت اندوزی کا ایک ذریعہ قرار دینے کی کوششیں مسلسل اور تیز رفتاری کے ساتھ جاری ہیں۔

کچھ مغرب کے ادبی نظریات کے بارے میں

فلاسفۂ ادب عام حالات میں ادب کی دو بنیادی قسمیں قرار دیتے ہیں ایک تشبیہی اور مثالیاتی ادب جس کا مقصد ادب برائے ادب ہوتا ہے اس کو تجریدی ادب بھی کہتے ہیں۔ دوسرا واقعاتی ادب یہ واقعات اور حقائق کی تعبیر و ترجمانی کا فرض انجام دیتا ہے اس کو تجدیدی ادب کے نام سے بھی یاد کرتے ہیں لیکن اس کے حدود مادی دنیا کے آگے نہیں ہیں، اور نہ یہ بلند اور غیر محسوس واقعات کو خاطر میں لاتا ہے حقیقت یہ ہے کہ تجریدی ادب ایک موہوم تخیل ہے۔ واقعات کی دنیا میں اس کا باقی رہنا زیادہ قرین قیاس نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ اس وقت اکثر ادبی نظریے مادی اور محسوس واقعات کی بنیاد پر ہی قائم ہیں۔

کلاسیکی ادب

یوں تو لغت میں کلاسیکل (CLASSICAL) کے معنی بلند اور معیاری کے ہیں، ایچ۔ ایل، لوکس (H. L. LUCAS) کا کہنا ہے کہ یہ لفظ لاطینی لفظ کلاسس (CLASSES) سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہجوم کے ہیں اور مین شہنشاہ ٹولیس (KING TULIUS) کے زمانے میں فوج کے بہترین اور مرصع دستے کے لیے استعمال ہوتا تھا۔ ساتویں صدی عیسوی میں یہ لفظ اعلیٰ اور معیاری درجہ کے ادباء کے لیے استعمال ہوا۔ اس زمانہ میں کلاسیک سے یونانی اور رومن تصانیف مراد لی گئیں، بعد میں لاطینی زبان کی کتابیں معیاری ادب میں شمار ہونے لگیں، اور اس کا نام کلاسیکی ادب پڑ گیا، اور اس اصطلاح کا استعمال محدود مفہوم سے نکل کر ادب کے اعلیٰ اور معیاری نمونوں کے لیے ہونے لگا، اور کلاسیکی ادب کے نمائندوں کو دوسرے ادبی نظریات کے نمائندوں پر فوقیت دینے کی کوشش ہونے لگی۔

شروع میں یہ ادبی نظریہ کسی حد تک قابل تعریف تھا اور ثقافت کا معیار بلند کرنے میں اس نے نمایاں خدمات انجام دیں، اگرچہ اس میں قدامت پرستی تقدس کی حد تک موجود تھی اور کلاسیکی ادب کے نمائندوں کو معصوم عن الخطا قرار دیا جاتا تھا۔ انھوں نے ادب و فن کے خود ساختہ کچھ متعین پیمانے بنائے تھے، جو ادب اس پیمانہ پر پورا نہیں اترتا تھا۔ وہ مسترد کر دیا جاتا تھا۔ کلاسیکی ادب کا موضوع قدیم یونانی اور رومن ادب ہے قدامت پرستی اور جمود اس ادب کا خاص امتیاز ہے یہ صرف مادی اور محسوس اشیاء کو قابل عمل سمجھتا ہے، غیر محسوس اور روحانی تصورات کا انکار کرتا ہے، یہ صرف تمدنی اور تہذیبی حالات سے بحث کرتا ہے۔ غیر متمدن اور نیچرل چیزوں سے اعراض کرتا ہے، یہ ادب صرف ظاہری حسن و جمال اور ظاہری ہیئت کو قابل اعتناء قرار دیتا ہے اندرون قلب کیا چیز ہے اس کو ناقابل التفات تصور کرتا ہے، اور سب سے اہم اور نفرت انگیز پہلو اس ادب کا یہ ہے کہ اس میں سچائی، بے تکلفی اور فطرت کی ترجمانی کے لیے کوئی گنجائش نہیں ہے۔ دوسرے لفظوں میں کلاسیکی ادب تکلف و تصنع اور مبالغہ آرائی اور حقیقت سے بہت دور ایک ذہنی عیاشی کے ہم معنی ہے اس ادب کے قدیم مثالی نمائندے یہ لوگ ہیں ہومر (HOMERE) اور جلیوس اور ہوریس (HORACE) جو شخص ان کے ادب سے جتنا قریب ہوگا اسی قدر وہ ان کے نزدیک قابل ترجیح و تعریف ہوگا۔

رومانٹکی (رومانی) ادب (ROMANTIC)

کلاسیکی ادب ایک غیر فطری اور ناقابل عمل معیار پیش کرتا تھا۔ اس لیے اس کو بعد میں

آنے والی نسلوں نے مسترد کرنے کی کوشش کی، اور اس کے رد عمل کے طور پر انیسویں صدی عیسوی کے شروع میں رومانٹیکی ادب (ROMANTICISM) یعنی آزاد ادب کا ظہور ہوا۔ اس کا سب سے پہلا مقصد یہ تھا کہ کلاسیکی ادب کی عائد کی ہوئی قدیم عقلی بندشوں اور پابندیوں کو ختم کر کے ادب کو جذبات و خیالات کی ترجمانی کا ذریعہ تصور کیا جائے، اور نئے فنی اصول و ضوابط سے اسے وابستہ کیا جائے، تاکہ ادیب آزادی کے ساتھ اپنا فنی عمل جاری رکھ سکے، اور احساسات و جذبات کی ترجمانی دلکش، مؤثر اور خوب صورت انداز سے کر سکے، اور تمدن کی گھٹی ہوئی فضا سے نکل کر طبعی زندگی اور دیہات کے فطری ماحول میں اپنی ادبی سرگرمیوں کو انجام دے سکے۔

اس ادب کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ جذبات و خیالات کی عکاسی کرتا ہے، لیکن شعور و وجدان کی بندشوں سے بالکل آزاد ہو کر، اور عقلی دنیا سے فرار اختیار کر کے۔ اس ادب میں انقلابی روح کارفرما ہوتی ہے اور فکر و خیال کی آزادی اس کا امتیازی نشان ہے اس لیے کہ تخیلاتی دنیا اس ادب کا خاص محور ہے، اور یہ فرضی تصورات میں اپنی قوت ابداعیہ کو صرف کرتا ہے۔ اس ادبی نظریے کے خاص نمائندے روسو (ROUSSEAU) اور لامارٹاین (LAMARTINE) سمجھے جاتے ہیں۔

اس نظریے کا رد عمل محسوس اور سفلی واقعات پرستی کی شکل میں واقعاتی ادب تھا اور رومانٹکی ادب کے برعکس اس ادب کے ماننے والے اور اس کو ایجاد کرنے والوں نے زندگی اور کائنات کی حقیقت کو محسوس اور مادی واقعات میں تجربہ کی بنیاد پر تلاش کرنے کی کوشش کی۔

رمزیت کا نظریہ ROMANTICISM

انیسویں صدی عیسوی کے اخیر میں شعری ادب میں رمزیت کا نظریہ سامنے آیا، یہ بھی دراصل واقعاتی ادب کے جواب میں قائم ہوا۔ اس کا مقصد بظاہر ادب و شعر میں نئے اسلوب کی تلاش تھا، لیکن حقیقت میں یہ نقطۂ نظر ادب میں عوامی یا عامیانہ طرز فکر پھیلنے کے خلاف رد عمل تھا اور یہ عیش پرست طبقے کی طرف سے ڈیموکریسی کے تصور کی مخالفت تھی، اس طبقہ میں شاعروں کی بڑی کثرت تھی، انھوں نے رمزیت کے نام سے ایک پرشور موسیقی شعری ادب میں داخل کرنے اور اس کو اپنی خاص زندگی اور معاشرہ پر منطبق کرنے کی کوشش کی، ان کے نزدیک دنیا محض نغمہ و جمال، عشق و مستی کا نام تھا اور یہ بات ان کو اسی نوع کی شاعری اور ادب میں مل سکتی تھی، اس رمزی ادب اور شاعری کے خاص نمائندے ورلائین (VERLINE) اور مالارم (MALLARME) اور بادلیئر (BAUDELAIRE) شمار کیے جاتے ہیں۔

سریالزم SURREALISME

لیکن رمزیت کا نظریہ بھی اپنی خاص کیفیت اور مزاج اور محدود طبقے کی نمائندگی کے باعث کامیاب نہ ہو سکا اور اس کے رد عمل کے طور پر سریالزم (SURREALISME) کا نظریہ شعری ادب میں بیسویں صدی کے نصف میں ظاہر ہوا۔ یہ ایک خالص نفسیاتی نقطۂ نظر تھا اس کے معنی ہیں حقیقت سے ماوراء ایک دوسری حقیقت، اس کا مقصد لاشعور میں چھپے ہوئے حقائق کی ترجمانی ہے، یعنی عقل کی کسی بھی نگرانی اور کسی قسم کی فنی اور اخلاقی رکاوٹ کے بغیر لاشعور اپنے اندرونی خیالات و احساسات کا اظہار کر سکے۔

۱۹۲۴ء میں انڈرے بریٹان نے اس ادبی نظریہ کا منشور شائع کیا، اس میں اخلاقی روایات سے مکمل انحراف کر کے ایک نئے ادب کی تخلیق اس کا مقصد بتایا گیا، لیکن یہ نظریہ غیر فطری ہونے کی وجہ سے قائم نہ رہ سکا۔

وجودی ادب کا نظریہ

سب سے زیادہ جس فکری رجحان نے جدید ادب کو متاثر کیا، وہ وجودی فلسفہ EXIS (TENTIALISM) ہے اس فلسفہ کی جڑیں بہت گہری اور قدیم ہیں، لیکن جان پول سارتر نے بیسویں صدی کے وسط میں اس فلسفہ کو ادب کا جامہ پہنایا اور انسان کو ایک مستقل بالذات وجود تسلیم کیا، اور اس کو ہر طرح کے اختیارات سے نوازا۔ اور مطلق انفرادیت کا نظریہ عام کیا، انیسویں صدی میں ڈنمارک کے کیرکیگارڈ (KIREKIGAARD) نے وجود انسانی کی علت بتاتے ہوئے یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ انسانی وجود ایک مستقل بالذات شئی ہے، انسان خود اس وجود کا خالق ہے اور اس کو ہر عمل کا پورا اختیار حاصل ہے اس الحادی فلسفہ سے نہ صرف عقلی طور پر لوگ متاثر ہوئے بلکہ اس نے ادب پر بھی پورا اثر ڈالا، اور غالباً اس کی وجہ یہ تھی کہ جس زمانے میں نظریہ رائج ہوا، وہ ذہنی کشمکش اور فطری اضطراب کا دور تھا اور ادبی میدان میں ایک ایسا خلا پیدا ہو گیا تھا جس کا پر کرنا ضروری تھا۔

اس وجودی نظریے کی مقبولیت اس وجہ سے اور زیادہ ہوئی کہ اخلاقی اقدار اور ضمیر انسانی سے بے نیاز ہو کر خواہشات نفس کے لیے اس نے لگام بالکل ڈھیلی کر دی، اور خدا کا تصور ذہنوں سے قطعاً نکال دیا، اس لیے کہ خدا کے تعین کے ساتھ انسان اپنے وجود کو آزاد نہیں کرا سکتا۔ اسی طرح اخلاقی نظام کے ماننے کا مطلب یہ ہے کہ انسان کی آزادی کو اخلاقی بندشوں سے مقید کر دیا جائے۔ سارتر کا خیال ہے کہ انسان میں اخلاقی گراوٹ یا برائی / پستی کا بذات خود کوئی وجود نہیں ہے بلکہ یہ چیزیں محض اضافی ہیں ہم دوسروں کو دیکھ کر اس طرح کا خیال ظاہر کرتے ہیں، اس لیے ہمیں خود اپنے وجود سے تعلق رکھنا چاہیے۔ اور دوسروں کو دیکھ کر کوئی رائے قائم کرنا جرم سمجھنا چاہیے اسی طرح دوسروں کا احترام کرنا یا کسی خاص اخلاقی اصول کا پابند ہونا اپنی آزادی اور اپنی شخصیت کو نقصان پہنچانے کے مرادف ہے۔

وجودیت کا یہ نقطۂ نظر دراصل جھنجھلاہٹ غصہ، ناکامی، نفرت و حسرت اور رنج والم کا نتیجہ ہے اور اس احساس کا ثمرہ ہے کہ انسان خود اپنے وجود کی ترجمانی اپنی خواہش کے مطابق نہیں کر سکتا، اور ماحول، حالات، سوسائٹی، اور خاندان کی روایات اور بندشیں اس کی راہ میں حائل ہوتی رہتی ہیں۔ سارتر کے اس وجودی نظریے کا ایک بڑا سبب دو عالمگیر جنگیں ہیں ان کی تباہی کے آثار اس فلسفی کے فکر پر اس طرح پڑے کہ وہ رد عمل کے طور پر اس منفی نظریے کو وجودیت کی شکل میں پیش کرنے لگا۔ بلکہ نظر حقیقت سے دیکھیے تو یہ ایک زبردست احساس کمتری کا رد عمل اور نتیجہ ہے۔ دوسری عالمگیر جنگ میں اس کو جرمنی میں جیل کی سلاخوں کے پیچھے پورے ایک سال تک رہنا پڑا تھا اور اسی عرصے کے دوران اس کے ذہن و فکر میں بغاوت و نفرت اور ناکامی و غصہ کا ایک ایسا شدید طوفان برپا ہوا کہ اس نے وجودیت جیسے بے سر و پا نظریے کے پھیلانے میں اپنی پوری طاقت مرکوز کر دی، اور وجودی ادب کے نام پر اس نے الحاد و بد اخلاقی اور زندگی کو ہر طرح کی انسانی بندش سے آزاد کرانے میں زبردست رول ادا کیا۔

اس نظریہ کے علمبرداروں میں انیسویں صدی عیسوی کے فرانسیسی مفکر یہ سارتر کے پیش رو ہیں، مارسیل (MARCEL) اور جان پول سارتر، اندرے جید، البیر کامو اور ہیڈ جر، خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ مارسیل اپنے خیالات میں کسی حد تک معتدل تھا اور وہ دوسرے اخلاقی اور انسانی قدروں کا انکار نہیں کرتا تھا تاہم اس کی انتہا بھی الحاد ہی ہے، اور انسانی وجود کو مادیت کے گھناونے فضلات سے ملوث کرنے میں اس نے بھی خاص کردار ادا کیا ہے۔

پرناسی ادب (PARNASSIANISM)

رمزی اور رومانی نظریۂ ادب کے خلاف انیسویں عیسوی صدی میں دو فرانسیسی شاعر لیکونت دی لیسلے (LECONTE DE LISLE) اور تیوفیل جوتیر (THEOPHIL GAUTIER) میدان میں آئے اور انھوں نے پرناسی ادب کے نام سے ایک ادبی نقطۂ نظر ایجاد کیا، یہ دراصل ادب میں جذباتیت کے خلاف ایک رد عمل تھا۔

وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اہل یونان کے باطل خداؤں میں ایک شاعر کا دیوتا تھا جس کا نام اپالو (APOLLO) تھا ان کے نزدیک فن شاعری کے اس معبود کا مرکز دیرناس (PARNASS) پہاڑ کے اوپر تھا، انیسویں صدی کے مادہ پرست مغربی شاعروں نے اپنی شاعری کو فنی تقدس کا رنگ دینے کے لیے اس کی نسبت اس پہاڑ کی طرف کر کے اس کا نام پرناسی ازم (PARNASSIANISM) رکھا اور اسے ایک مستقل ادبی نظریے کی حیثیت سے لوگوں کے سامنے پیش کیا۔

اس نظریہ کا خلاصہ یہ ہے کہ ادب و شاعری محض تفریح طبع کا ایک ذریعہ ہے، اور اس کا کوئی تعمیری مقصد نہیں ہے، اس نظریہ کا نام 'ادب برائے ادب' رکھا گیا، بعض لوگوں نے اس کو اپالو کا نظریہ ادب' کے نام سے موسوم کیا، اسی کو پرناسی ادب بھی کہتے ہیں۔

اس حد تک ادب کے بارے میں کچھ مادی نظریات کا ذکر آیا۔ اس کے علاوہ ابھی اور بہت سے نظریے اور طرز فکر ادب کے سلسلہ میں موجود ہیں۔ اور برابر ان میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے ہمیں دیکھنا یہ ہے کہ ادب کے نام پر یہ ساری کوششیں صرف اسلام کے لائے ہوئے ادب اور اس کی قدروں کو ختم کرنے کی ایک گہری سازش ہے اس سازش کا شکار خود مسلمان ادباء اور مفکرین ہو رہے ہیں۔ اور ان تخریبی کوششوں کو کامیاب بنانے میں ان کی زبردست مدد کر رہے ہیں۔ ***

بقیہ: عالم اسلام

ہوئے ہلاک ہو گئے ریڈیو تہران نے یہ نہیں بتایا تھا کہ وہ کہاں اور کن حالات میں ہلاک ہوئے لیکن ریڈیو بغداد سے ایک نشریہ میں یہ دعویٰ کیا ہے کہ عباس بابائی محاذ جنگ پر ہلاک نہیں ہوئے ہیں۔ بلکہ مکہ معظمہ میں ایرانی زائرین کے مظاہرے اور ہنگامے کے دوران مارے گئے تھے۔

ترجمہ و تلخیص: ابوالمعظم

حرم مکی میں ایرانیوں کی شورش

مکمل سازشوں کا ایک جائزہ

۱۳۹۷ھ ۱۹۷۷ء میں ایرانی حجاج کی تعداد چونتیس ہزار نو سو تھی، جبکہ مجموعی تعداد حاجیوں کی اس سال سات لاکھ انتالیس ہزار تین سو انیس تھی، یعنی ایرانی حجاج کا تناسب ۷ء۴ فیصدی تھا۔ لیکن ۱۳۹۹ھ ۱۹۷۹ء میں جو انقلاب کا سال تھا، ایرانی حجاج کی تعداد ۹۶۳ء۷۹ تک پہنچ گئی جبکہ دیگر ممالک سے آنے والے حجاج کی تعداد ۸۶۲۵۲۰ تھی ایرانیوں کا تناسب ۱۰ء۹ بڑھ گیا ہے۔

اس غیر معمولی تعداد کو دیکھ کر سعودی حکام نے ایرانیوں پر زور دیا کہ ہم تعداد پر کوئی پابندی نہیں لگاتے البتہ یہ ضرور درخواست کرتے ہیں کہ ان ایرانی حجاج کی صحیح تربیت کی جائے اور حج کے مقاصد سے ان کو واقف کرایا جائے۔ اس لیے کہ انقلاب کے سال ایرانی حاجیوں نے غیر معمولی تنظیم اور قوت کا مظاہرہ کیا تھا اپنے ساتھ بڑے بڑے بینر خمینی کی تصویر لے کر چلتے تھے۔ اور لا شرقیہ لا غربیہ کا خوش کن نعرہ بھی لگاتے تھے۔ سعودی حکام کے کان اسی وقت کھڑے ہو گئے تھے اور انھوں نے ایرانی حجاج کے طرز عمل سے یہ باور کر لیا کہ اب ایرانی انقلاب دوسرے حلقوں میں پہنچانا ان کا بنیادی مقصد ہے، اس کا کھلا ہوا اظہار ایرانیوں نے حج کے موقع پر کیا، سعودی نوجوانوں کو خصوصاً اور دیگر اسلامی ملکوں سے آئے ہوئے نوجوان عناصر کو عموماً ان ایرانی حجاج نے مرکز توجہ بنایا۔

(مترجم ایرانی انقلاب کے سال حج میں موجود تھا، اس نے ان مظاہروں کا مشاہدہ خود کیا تھا، بعض سعودی نوجوانوں نے اس سے یہ بھی بتایا کہ ایرانی اپنے ساتھ منشیات خاصی مقدار میں لائے ہیں جو بڑے پیمانے پر تقسیم کر رہے ہیں۔)

سعودی حکام نے اپنے سفیر کے ذریعہ ایرانی حکومت کو یہ بھی پیغام دیا کہ اگر حج کے مسائل و معلومات کے سلسلہ میں ان کے علماء کی خدمات کی ضرورت ہو تو انھیں ایران بھیجنے کے لیے تیار ہیں۔ لیکن ایرانی حکام کے کان پر جوں تک نہ رینگی اور وہ انقلاب کے نشے میں مدہوش رہے۔ ایرانی حجاج اپنے ساتھ آتش گیر مادے برابر سعودی عرب لے جانے کی کوشش کرتے رہے کئی بار وہ پکڑے بھی گئے لیکن سعودی حکام نے اس کا اعلان نہیں کیا اور نہ ہی ایرانی حجاج کو اس سلسلہ میں کبھی گرفتار کیا، یہ محض اسلیے کیا گیا کہ حج کے مقدس موقع پر اس طرح کے اعلان سے خواہ مخواہ ایک برادر اسلامی ملک کی بدنامی ہوگی اور تمام دنیا سے آئے ہوئے حجاج میں سراسیمگی پھیلے گی دوسری طرف سعودی حکومت نے اس طرح کی سازشوں سے دوست اسلامی ملکوں کو مطلع کر دیا تھا، ان کا مشورہ بھی یہی تھا کہ اگر اس سازش کا اعلان کر دیا جائے گا تو ایرانی حکومت تمام دنیا میں ذلیل و خوار ہو جائے گی اور دشمنوں کو مسلمانوں پر ہنسنے کا موقع ملے گا یہ واقعات تو ایرانی انقلاب کے بعد کئی بار پیش آئے کہ بعض ایرانی حجاج کے پاس ہتھیار، بعض کے پاس آتش گیر مادہ، اور بعض کے پاس زہر اور منشیات (ہیروئن) وغیرہ برآمد ہوئے، لیکن ان سب کو انفرادی واقعہ کہہ کر نظر انداز کر دیا گیا۔

مگر جب گزشتہ سال یہ انکشاف ہوا کہ تمام ایرانی حجاج کے پاس آتش گیر مادے پائے گئے ہیں اور وہ ایک اپنے ساتھ زہر اور منشیات کی خاصی مقدار لاتے ہیں۔ تو اندازہ ہوا کہ یہ تو ایک بھیانک سازش ہو رہی ہے۔ اس پر بھی سعودی حکام نے براہ راست کہنے کے بجائے ثالث کے ذریعہ ایرانیوں کو ان واقعات سے آگاہ کیا، لیکن اس پر بھی ایرانی حکام خاموش رہے، پھر جب انھوں نے دیکھا کہ ایرانیوں کے سامان کی زبردست تلاشی لی جاتی ہے، اور آتش گیر مادے نیز منشیات کا انکشاف ہو جاتا ہے تو ایرانیوں نے دوسرے ملکوں کے سادہ لوح حاجیوں کو اس ناپاک مقصد کے لیے استعمال کرنا شروع اور ان کو باقاعدہ نقشے دے کر ہدایات کے ساتھ حج کے لیے بھیجنے کے انتظامات کیے گئے۔ ایسے حجاج کبھی ایشیائی ملکوں سے بھیجے جاتے اور کبھی افریقہ و یورپ و امریکا سے۔ لیکن اللہ کے یہ منصوبے بھی دھرے کے دھرے رہ گئے۔ اب ایرانی حکام نے پھر اپنے حاجیوں کا سہارا لیا۔ لیکن اس بار وہ دور رس منصوبے کے ساتھ میدان میں آئے۔ ایرانی حکام نے ۱۹۸۲ء میں جو حجاج روانہ کیے ان کی تعداد نواسی ہزار پانچسو تین تھی یعنی مجموعی حجاج کے مقابلہ میں ۱۰ء۴ فیصدی۔ اس سال ایرانیوں نے مقامات حج پر گروہوں کی صورت میں دیر تک قبضہ کیا تاکہ دوسروں کو شعائر کی ادائیگی کا موقع نہ مل سکے اور وہی چھائے رہیں۔ اسی سال ایرانیوں نے خمینی کا زبردست پروپیگنڈہ کیا۔ ان کی تصویروں کو بینر کے ذریعہ ہر جگہ گھماتے رہے۔

۱۹۸۳ء میں ایرانی حاجیوں کی تعداد ایک لاکھ تین ہزار چوالیس ہوگئی۔ اس سال ایرانیوں نے گزشتہ سالوں کے مقابلہ میں زیادہ سخت موقف اختیار کیا، اپنے شخصی جذبات کا اگر وہ اظہار کرتے تو کوئی منع نہ کرتا لیکن انھوں نے مملکت سعودی عرب کی داخلی سیاست اور بڑی طاقتوں کے خلاف محاذ آرائی اور نعرے بازی شروع کر دی۔ گویا یہ بھی ایرانیوں کے نزدیک حج کے شعائر میں سے تھے۔

۱۹۸۴ء میں ایرانی حکام کا اصرار تھا کہ وہ اس سال ایک لاکھ چون ہزار نو سو اٹھاون حاجیوں کو بھیجیں گے جبکہ دیگر ملکوں سے آنے والے تمام حجاج کی تعداد نو لاکھ انیس ہزار چھ سو اکہتر تھی۔ اپنے اس اصرار کو ایرانیوں نے عملی جامہ پہنایا، لیکن اگر یہ ساری تعداد حاجیوں پر مشتمل ہوتی تو کوئی بات نہ تھی۔ اس تعداد میں صرف ۲۲ فیصد اصل حاجیوں کی تھی، باقی کا تجزیہ اس طرح ہے۔

۲۵٪ انقلابی محافظ، ۴۰٪ رضا کار خودکشی کا دستہ، ۱۳٪ انقلابی نسل، ۲۲٪ اصل حجاج۔

اس بار ایرانیوں نے دیگر ملکوں کے بیاسی ہزار چھ سو بیس حاجیوں کو آتش گیر مادے کے ساتھ حج کے موقع پر بھیجا تھا تاکہ دیگر حجاج کے درمیان گھل مل کر اپنا کام انجام دیں لیکن بروقت اس کا انکشاف ہو گیا اور ایسے تمام لوگ رنگے ہاتھوں گرفتار کر لیے گئے۔

۱۹۸۵ء میں ایرانی حجاج کی تعداد ایک لاکھ باون ہزار دو سو ستائیس اور ۱۹۸۶ء میں بھی یہی تعداد رہی۔ لیکن اس سال یہ واقعہ پیش آیا کہ ۱۴ ذی الحجہ ۱۴۰۶ھ بروز جمعہ چھ بجکر پچاس منٹ پر جب ایرانی طیارہ ایرانی حجاج کو لے کر جدہ ایرپورٹ پر اترا تو سعودی حکام نے ایرانی حجاج کا خیر مقدم کیا، پھر جب ایرانی حجاج کے ایر بیگ کسٹم سے گذرنے لگے تو یہ انکشاف ہوا کہ ایک اندرونی نچلے حصہ میں خفیہ پاکٹ ہے، اس کے کھولنے پر آتش گیر مادے کی موجودگی کا انکشاف بھی ہوا۔ پھر تو تمام ایر بیگ کی تلاشی لی گئی، پچانوے بیگ سے آتش گیر مادے کی جو مجموعی مقدار برآمد ہوئی وہ اکیاون کیلو گرام تھی۔ ایرانی حجاج کے سربراہ علامہ محمد حسن علی محمد دہنوی اور ان کے رفقاء سے جب پوچھ گچھ کی گئی تو پتہ چلا کہ ان کو حرمین شریفین اور مقامات مقدسہ میں ان کے استعمال کی ہدایت کی گئی ہے۔

عام ایرانی حجاج سے جو اس جہاز سے آئے تھے جب سوال کیا گیا تو انھوں نے سرے سے انکار کر دیا کہ ان کو کچھ معلوم ہے انھوں نے صرف یہ کہا کہ ہمیں کچھ علم نہیں ہم کو تو طہران میں یہ ایر بیگ سامان لے جانے کے لیے دیے گئے تھے۔

تحقیقات مکمل ہونے کے بعد جب شاہ فہد کو اطلاع دی گئی (بقیہ صفحہ پر)

سوال و جواب

محمد طارق حسنی ندوی

سوال :- کیا سورۃ فاتحہ پڑھنے کے بعد دوسری سورہ شروع کرنے سے پہلے کچھ دیر خاموش رہنا مستحب ہے۔

جواب :- سورۃ فاتحہ پڑھنے کے بعد دوسری سورہ شروع کرتے سے پہلے اور پوری قرأت ختم کرنے کے بعد رکوع کے لیے اللہ اکبر کہنے سے پیشتر کچھ دیر رکنا اور خاموش رہنا مستحب ہے۔

حضرت سمرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دو جگہ سکتہ فرمایا کرتے تھے ایک جب آپ نماز شروع فرماتے دوسرے جب آپ پوری قرأت سے فارغ ہو جاتے، دوسری روایت میں ہے کہ ایک سکتہ جب اللہ اکبر فرماتے اور جب غیر المغضوب علیہم ولا الضالین فرماتے۔ (ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ)

سوال :- کیا عورتیں مسجد جا کر باجماعت نماز ادا کرسکتی ہیں؟

جواب :- عورتوں کے لیے جہاں تک ممکن ہو چھپ کر نماز پڑھنے میں زیادہ فضیلت اور ثواب ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ایک خاتون بیت (کمرہ) میں نماز پڑھے یہ صحن کی نماز سے بہتر ہے اور اندرونی کوٹھری میں نماز پڑھنا کمرہ میں پڑھنے سے بہتر ہے، بیشک، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں خواتین کو مسجد میں حاضر ہونے اور نماز پڑھنے کی اجازت تھی، کیونکہ آپ خود بنفس نفیس موجود تھے اور تعلیم کا سلسلہ جاری تھا اور وہ دور مقدس تھا جس کو خیر القرون فرمایا گیا ہے بعد میں طرح طرح کی خرابیاں پیدا ہونے لگیں۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے عورتوں کو مسجد میں جانے سے منع فرمایا۔

ام المومنین حضرت عائشہؓ نے بھی تاکید کی اور فرمایا کہ اگر آنحضور عورتوں کی یہ حالت دیکھتے جو حضرت عمرؓ نے دیکھی ہے تو آنحضور بھی عورتوں کو مسجد میں آنے کی اجازت نہ دیتے شارح بخاری علامہ عینی کا بیان ہے کہ حضرت عائشہؓ کا یہ فرمان حضور کی وفات کے کچھ ہی عرصے کے بعد کا ہے اس کے بعد علامہ عینیؒ فرماتے ہیں ہذا الیوم

فنعوذ باللہ من ذالک۔ لیکن اس زمانہ کا حال تو خدا کی پناہ مذکورہ حال نویں صدی ہجری کا ہے اور اب تو پندرھویں صدی ہجری ہے بہت کافی عرصہ گذر چکا ہے۔

ہمارے زمانے کی عورتوں کی آزادی بے حیائی، بے شرمی کا جو حال ہے وہ کسی پر مخفی نہیں لہذا اس زمانہ میں جواز کا فتویٰ کسی حال میں نہیں دیا جا سکتا ہے۔

سوال :- جس نے فجر کی نماز نہیں پڑھی ہو وہ عید کی نماز پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟

جواب :- جس نے فجر کی نماز نہیں پڑھی ہے وہ عید کی نماز پڑھ سکتا ہے۔

سوال :- عید الاضحیٰ کے دن مستحب یہ ہے کہ عید کی نماز تک کھانے پینے سے رکا رہے یہ حکم کس کے لیے ہے؟ جو قربانی کرنے والا ہے اس کے لیے یا سب کے لیے؟

جواب :- یہ حکم صرف قربانی کرنے والے کے لیے نہیں بلکہ سب کے لیے ہے مستحب یہ ہے کہ روزہ دار کی طرح رہیں اور عید الاضحیٰ کی نماز کے بعد کھائیں پئیں، اور اگر خود کی قربانی ہے تو اپنی قربانی سے کھائیں۔

سوال :- کیا اگر کسی نے عمرہ کیا تو حج اس پر فرض ہو جاتا ہے؟

جواب :- عمرہ کرنے سے حج فرض نہیں ہوتا ہے۔

سوال :- صاحب حیثیت اور استطاعت اگر عمرہ کرے تو کیا حج کی فرضیت ساقط ہو جائے گی؟

جواب :- نہیں عمرہ کرنے سے حج کی فرضیت ساقط نہیں ہوتی ہے حج کرنا پڑے گا۔

سوال :- عورت کا اپنے شوہر کے مال میں سے صدقہ کرنا درست ہے یا نہیں؟

جواب :- اگر عورت کو اپنے شوہر کی رضامندی کا علم ہو تو وہ اس کے مال سے صدقہ کرسکتی ہے ورنہ نہیں۔

حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ نبیؐ نے فرمایا اگر عورت کوئی خرابی کیے بغیر اپنے گھر کے کھانے میں سے خرچ کرے تو اس کے لیے اس خرچ کرنے کا اجر ہے اور اس

بقیہ صفحہ ۔۔ پر

بقیہ :- زبان و ادب

جو ہمارے والد مولانا عبد الحی صاحب مرحوم کی تصنیف ہے بعد جو آب حیات کے بعد اردو شاعری کی تاریخ میں ناقدانہ کتاب لکھی جاتی ہے اور جس نے آب حیات کی غلطیوں کا پردہ فاش کیا ایک عالم دین کی لکھی ہوئی ہے جو خالص قدیم نصاب کا تعلیم کا فاضل تھا۔

میں خاص طور سے دار العلوم کے فرزندوں سے کہوں گا کہ وہ اپنے کو زبان وادب سے بیگانہ نہ ہونے دیں اور قلم میں ایسی شگفتگی اور طاقت پیدا کریں کہ جدید طبقہ کو مجبور کر دیں کہ وہ ان کی چیزیں پڑھیں اور یہ نہ سمجھیں کہ ہم دینیات کی کتاب پڑھ رہے ہیں یا اس وقت ایک خشک کام کر رہے ہیں بلکہ وہ ان کے ادبی ذوق کا ساتھ دے، ہمارا مطالعہ وسیع ہو۔

سید صاحب فرمایا کرتے تھے کہ :- ایک صفحہ لکھنے کے لیے سو صفحہ پڑھنے کی ضرورت ہے۔ وہ کہتے تھے کہ کہا جاتا ہے کہ فلاں پڑھے لکھے آدمی ہیں حالانکہ ہوتا یہ ہے کہ پڑھے کم اور لکھے زیادہ ہوتے ہیں اس وقت لکھنے والے زیادہ اور پڑھنے والے کم ہیں قلم اٹھاتے ہیں اور لکھنا شروع کر دیتے ہیں اس کے پیچھے کوئی مطالعہ نہیں ہوتا۔ تو ندوی شعار ہے پڑھ کر لکھنا، لکھ کر پڑھنا نہیں کہ آپ خود ہی لکھیں اور پھر اسی کو پڑھیں تو پہلی چیز ہے پڑھ کر لکھنا اور دوسری خصوصیت ہے قلم کی شرافت۔ آپ کا قلم مہذب ہو، شریف ہو، آپ تنقید بھی کریں تو مہذب انداز میں عامیانہ انداز نہ ہو۔ پھر ایک بات اور یہ کہ کتابیں ترتیب سے پڑھیں ترتیب سے پڑھنے سے پڑھنے کا ذوق پیدا ہوگا اور آہستہ آہستہ صلاحیت بڑھے گی، مطالعہ ایک فن ہے اور ایک ذمہ داری ہے۔ اس سلسلہ میں اپنے اساتذہ سے مشورہ کریں اور مطالعہ کا طریقہ معلوم کریں بعض اوقات غلط مطالعہ ایک اچھے خاصے آدمی کو الحاد کے مرحلہ تک پہونچا دیتا ہے؟

بقیہ :- حرم مکی ....

تو انھوں نے ایرانیوں کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی بلکہ اس جہاز سے جو ایرانی حجاج آئے تھے ان کو سرکاری مہمان بنایا اور حکومت کے خرچ پر ان کے حج کے مراسم ادا کرائے۔

اس سال ایرانیوں کے سر میں سودا سمایا ہوا تھا، انھوں نے عین حرم مکی کے سامنے مظاہرے کی تنظیم کی۔ پہلا مقصد یہ تھا کہ اولین مرحلہ میں حرم کے تمام دروازے حجاج کے لیے بند کر دیے جائیں۔

دوسرے یہ کہ خمینی کا نام لیکر عمومی بیعت کا اعلان کر دیا جائے۔ ان کے نائب کے ہاتھ پر بیعت کی جائے اور وہ مسلمانوں کے علی ہے جائیں۔

اس کے علاوہ یہ اعلان بھی کر دیا جائے کہ قم اب مقامات مقدسہ میں سے ہے مسلمانوں کو چاہیے کہ مکہ و مدینہ کے بجائے قم کی زیارت کیا کریں۔

ایرانیوں کا ایک منصوبہ یہ بھی تھا کہ امام حرم کو قتل کر دیا جائے، اس کے علاوہ اگر کوئی عنصر مقابلہ کرتا ہے تو اس کو بھی ٹھکانے لگا دیا جائے۔

آخری ناپاک سازش یہ تھی کہ کعبہ مقدسہ کے بڑے حصہ کو جلا دیا جائے تاکہ عام مسلمانوں کے جذبات و احساسات پر بھرپور ضرب لگا کر انھیں ہمیشہ کے لیے سعودی حکومت اور حرم کی سے نگاہیں پھیرنے پر مجبور کر دیا جائے۔

اس سال ایرانی حجاج کی تعداد ایک لاکھ پچپن ہزار تھی۔ انھوں نے گذشتہ سالوں کے برعکس بظاہر امن پسندی کا مظاہرہ کیا۔

چنانچہ ایرانیوں نے سعودی حکام سے ذکر کیا کہ وہ مظاہرہ کرنا چاہتے ہیں، اس لیے ان کو اس کی اجازت دی جائے سعودی حکام نے انھیں سمجھایا کہ حج کے موسم میں اس طرح کے کسی مظاہرے کی ہم اجازت نہیں دے سکتے۔

اگر ایرانیوں نے اس طرح کے کسی مظاہرہ کی تنظیم کی تو اس سے سختی سے نپٹا جائے گا، پھر جب مظاہرہ ہوا تو حکام نے تصادم سے گریز کی بھرپور کوشش کی ایک گھنٹہ سے زائد سعودی پولیس خاموش تماشائی بنی رہی اور ایرانی من مانی کرتے رہے، جب ایرانیوں نے حرم کے دروازے کو بند کرنا چاہا، دیگر ملکوں کے حاجیوں نے بھی ان کو اس حرکت سے باز رکھنا چاہا اور وہ نہیں مانے بلکہ چھرے چاقو سے انھوں نے بے گناہ حجاج کو قتل اور زخمی کرنا شروع کر دیا، جس کے شکار معصوم بچے اور خواتین ہوئیں تو پھر سعودی فوج نے آگے بڑھ کر ایرانیوں کو تنبیہ کی تاکہ وہ اپنے ناپاک سازشوں میں کامیاب نہ ہو سکیں۔ ** **

ایمنسٹی انٹرنیشنل - ایک تعارف

دنیا بھر میں ہزاروں لوگ اپنے اعتقادات کی وجہ سے جیلوں میں بند ہیں۔ بہت سے لوگوں پر الزام بتائے بغیر یا مقدمہ چلائے بغیر قید میں رکھا گیا ہے۔ تشدد اور موت کی سزاؤں کا سلسلہ وسیع پیمانہ پر جاری ہے، متعدد ممالک میں مرد عورتیں اور بچے سرکاری حراست میں لیے جانے کے بعد "غائب" ہو گئے ہیں۔

ان کے علاوہ دوسرے لوگوں کو دکھاوے کی قانونی کارروائی کے بغیر موت کی نیند سلا دیا گیا ہے۔ حکومتوں اور ان کے ایجنٹوں نے ان لوگوں کو چنا اور قتل کر دیا، ایک دوسرے سے بہت مختلف نظریات رکھنے والے ممالک میں انسانی حقوق کو پامال کیا جا رہا ہے۔ یہ صورت حال بین الاقوامی ردعمل کی متقاضی ہے۔ انسانی حقوق کا تحفظ ایک عالمی ذمہ داری ہے، جو قومی نسلی اور نظریاتی سرحدوں سے بلند ہے۔ یہ ایک بنیادی نظریہ ہے جس پر ایمنسٹی انٹرنیشنل کے کام کی بنیاد رکھی گئی ہے۔

ایمنسٹی انٹرنیشنل کیا ہے؟

ایمنسٹی انٹرنیشنل ایک آزاد عالمی تحریک ہے۔ یہ انسانی حقوق کے بین الاقوامی تحفظ میں ایک مخصوص کردار ادا کرتی ہے۔ اس کی سرگرمیاں قطعی طور پر قیدیوں پر مرکوز ہیں۔

یہ ضمیر کے قیدیوں کی رہائی کے لیے کوششیں کرتی ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے نظریات، رنگ، جنس، نسلی پس منظر، زبان یا مذہب کی وجہ سے کہیں بھی قید ہوں اور انہوں نے نہ تو تشدد استعمال کیا ہو اور نہ ہی اس کی وکالت کی ہو۔

* یہ تمام سیاسی قیدیوں پر منصفانہ اور فوری مقدمات چلانے، اور الزامات کے بغیر یا مقدمہ چلائے بغیر قید رکھے جانے والوں کے لیے کام کرتی ہے۔

* یہ تمام قیدیوں کے لیے بلا امتیاز سزائے موت، یا تشدد یا دیگر ظالمانہ، غیر انسانی یا ذلت آمیز سلوک یا ۔۔۔ کی مخالفت کرتی ہے

پوری دنیا میں ایمنسٹی انٹرنیشنل کے سرگرم ارکان موجود ہیں۔ ۱۶۰ سے زائد ممالک اور علاقوں میں اس کے ۵ لاکھ سے زیادہ ارکان چندہ دینے والے اور حامی ہیں اس تحریک کے دروازے ہر اس شخص کے لیے کھلے ہیں جو اس کے مقاصد کی حمایت کرتا ہے۔ اس کے ارکان زندگی کے ہر اس شعبہ سے تعلق رکھتے ہیں اور مختلف نقطہ ہائے نظر کی عکاسی کرتے ہیں۔ ان کی ایمنسٹی انٹرنیشنل کی سرگرمیوں میں بھرپور شرکت کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے۔

ایمنسٹی انٹرنیشنل کی ابتدا کیسے ہوئی۔؟

ایمنسٹی انٹرنیشنل کی ابتدا ۱۹۶۱ء میں ایک برطانوی وکیل پیٹر بینسن کے اخباری مضمون سے ہوئی۔ جس میں اس نے دنیا بھر کے لوگوں سے اپیل کی تھی کہ وہ ضمیر کے قیدیوں کی رہائی کے لیے غیر جانب داری کے ساتھ پرامن طور پر کام کریں۔ ایک ماہ کے اندر اندر مختلف ممالک سے ایک ہزار سے زائد لوگوں عملی امداد کی پیش کش کی جو سیاسی مقدمات کے متعلق معلومات اکٹھی کرنے ان کی تشہیر کرنے اور حکومتوں سے اپیل کرنے کے لیے تیار تھے۔ انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کی تشہیر کی ایک مختصر کوشش سے شروع ہونے والی یہ تحریک ایک بڑھتی ہوئی بین الاقوامی تحریک بن گئی۔

کیا ایمنسٹی انٹرنیشنل سیاسی تنظیم ہے؟

ایمنسٹی انٹرنیشنل غیر جانبدار ہے یہ کسی حکومت یا سیاسی نظام کی حمایت یا مخالفت نہیں کرتی اور نہ ہی یہ لازماً ان قیدیوں کے خیالات کی حمایت یا مخالفت کرتی ہے جن کے حقوق کے تحفظ کے لیے یہ کوشش کرتی ہے۔ یہ حکومت کے نظریہ یا اس کا نشانہ بننے والے قیدیوں کے اعتقادات کا لحاظ کیے بغیر ہر معاملے میں محض انسانی حقوق کے تحفظ سے غرض رکھتی ہے۔

ایمنسٹی انٹرنیشنل معلومات کیسے کرتی ہے؟

ایمنسٹی انٹرنیشنل حقائق کو غیر جانبدارانہ اور درست اطلاع کو بہت اہمیت دیتی ہے۔ ان کی سرگرمیوں کا انحصار انسانی حقوق وغیرہ کے الزامات کی باریک بینی سے کی جانے والی تحقیقات پر ہے۔ لندن میں قائم انٹرنیشنل سیکریٹریٹ (جس میں عملے کی تعداد ۲۰۰ سے زائد ہے اور ان کا تعلق تقریباً ۴۰ مختلف قوموں سے ہے) میں ایک شعبہ تحقیقات ہے جو مختلف طرح کے ذرائع سے معلومات و اطلاعات جمع کرتا اور ان کا تجزیہ کرتا ہے۔ ان ذرائع میں سیکڑوں اخبارات اور رسائل حکومتوں کے بلیٹن، نشریات، وکلاء اور انسانی بہبود پر کام کرنے والوں کی تنظیموں کی رپورٹیں اور قیدیوں اور ان کے عزیزوں سے ملنے والے خطوط شامل ہیں۔ ایمنسٹی انٹرنیشنل حقائق دریافت کرنے والے وفود بھی بھیجتی ہے جو موقع پر جا کر تحقیقات کرتے ہیں اور مقدمات کی کارروائی دیکھتے، قیدیوں سے ملاقاتیں کرتے اور حکومت کے حکام سے انٹرویو کرتے ہیں۔ ایمنسٹی انٹرنیشنل اپنی شائع کردہ رپورٹوں کی پوری ذمہ داری قبول کرتی ہے اور اگر کسی بھی جگہ کوئی بات غلط ثابت کر دی جائے تو وہ اس کی تصحیح کرنے پر تیار ہوتی ہے۔

ایمنسٹی انٹرنیشنل رقم کہاں سے حاصل کرتی ہے؟

ایمنسٹی انٹرنیشنل اپنے ارکان اور حامیوں کے عطیات پر انحصار کرتی ہے۔ اس کی معاشی آزادی بھی اس کے کام کے لیے اتنی ہی اہم ہے جتنی کہ سیاسی آزادی۔ عطیات لینے کے متعلق اس کے ضوابط بہت سخت ہیں اور اس امر کو یقینی بناتے ہیں کہ تنظیم کی کسی بھی شاخ کی طرف سے وصول کیا جانے والا چندہ اس کی دیانت داری کو متاثر نہ کرے اسے کسی عطیہ دینے والے کا محتاج نہ بنائے اور اس کی سرگرمیوں کی آزادی کو محدود نہ کرے تحریک کی آمدنی کا بڑا حصہ چھوٹے چھوٹے انفرادی عطیات، رکنیت کی فیسوں اور چندہ جمع کرنے کی مقامی مہموں سے حاصل ہوتا ہے۔ ایمنسٹی انٹرنیشنل اپنے بجٹ کے لیے کسی حکومت سے نہ تو رقم وصول کرتی ہے اور نہ ہی اس کی طالب ہے۔

ایمنسٹی انٹرنیشنل۔ دنیا بھر میں

ایمنسٹی انٹرنیشنل کے بیشتر ارکان اور حامی چھوٹے مقامی گروپوں میں منظم ہیں افریقہ ایشیا امریکہ اور یورپ کے براعظموں اور مشرق وسطیٰ بھر میں اب ۴۰۰۰ سے زائد گروپ موجود ہیں۔ انسانی حقوق کے لیے بین الاقوامی جدوجہد کے اصول پر زور دیتے ہوئے ان گروپوں کے کام کا ایک خاص پہلو یہ ہے کہ ان میں سے ہر گروپ اپنے ملک کے قیدیوں کیلئے نہیں بلکہ کسی دوسرے ملک کے قیدیوں کے لیے کام کرتا ہے۔ بیشتر گروپ کم از کم دو قیدیوں کے معاملات میں یہ کام کرتے ہیں۔ اور غیر جانبداری کو یقینی بنانے کے لیے ان کے کام میں جغرافیائی اور سیاسی طور پر توازن قائم کیا جاتا ہے، کسی گروپ یا رکن سے یہ توقع نہیں کی جاتی کہ وہ اپنے ملک کے بارے میں معلومات فراہم کرے اور نہ ہی ان پر بین الاقوامی تنظیم کی طرف سے ان کے ملک کے متعلق کیے جانے والے اقدامات اور دیے جانے والے بیانات کے سلسلہ میں کوئی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔

انٹرنیشنل کو جمہوری انداز میں چلایا جاتا ہے۔ ۴۵ سے زائد ممالک میں ارکان اور گروپ شاخوں میں منظم ہیں۔ ان شاخوں کے ذریعہ ارکان اس تحریک کی پالیسی کے بارے میں فیصلہ کرتے ہیں جس کو وہ مالی مدد دیتے ہیں۔ پالیسی کے بڑے فیصلے تنظیم کی انٹرنیشنل کونسل کرتی ہے جو تمام شاخوں کے نمائندوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ وہ اپنے فیصلوں پر عمل درآمد کرانے اور انٹرنیشنل سیکریٹریٹ کے روزمرہ کے کاموں کی نگرانی کے لیے ایک انٹرنیشنل ایگزیکٹیو کمیٹی منتخب کرتے ہیں۔

ایک شمع امید

ایمنسٹی انٹرنیشنل کو جب بھی سیاسی گرفتاریوں یا تشدد یا سزائے موت سے دوچار قیدیوں کے متعلق پتہ چلتا ہے تو وہ سب سے پہلے حقائق معلوم کرنے پر توجہ دیتی ہے۔ ایمنسٹی انٹرنیشنل کے بین الاقوامی سیکریٹریٹ میں تحقیق کرنے والے "ریسرچ" قیدیوں اور ان کے حالات کا خاکہ تیار کرنے کے لیے ہر دستیاب تفصیل جمع کرتے ہیں اور اس کی جانچ پڑتال کرتے ہیں اور اس کے بعد قیدیوں کی مدد کرنے کی کوشش شروع کر دی جاتی ہے۔ اگر یہ واضح ہو جائے کہ اپنی آزادی سے محروم ہونے والے افراد ضمیر کے قیدی ہیں تو ان کے کیس دنیا بھر میں پھیلے ہوئے فرداً فرداً تحریک کے گروپوں میں سے ایک یا زائد کے سپرد کر دیے جاتے ہیں۔ یہ گروپ جو ایمنسٹی انٹرنیشنل کے مقامی ارکان پر مشتمل ہوتے ہیں۔ قیدیوں کے معاملات کے پس منظر کا جائزہ لیتے ہیں اور پھر متعلقہ حکام کو قیدیوں کی فوری اور غیر مشروط رہائی کی اپیل کرتے ہوئے خطوط وغیرہ لکھنا شروع کرتے ہیں۔

یہ مہم مہینوں بلکہ اکثر اوقات سالوں جاری رہتی ہے۔ کابینہ کے وزراء اور جیل کے حکام کو خط بر خط بھیجتے ہیں، ارکان مقامی ذرائع ابلاغ میں اپنے اختیار کردہ قیدی کے متعلق تشہیر حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ اپنے ملک میں متعلقہ سفارتخانے یا تجارتی وفود کے دفاتر میں جاتے ہیں۔ وہ ممتاز شخصیات سے اپیلوں پر دستخط کرواتے ہیں۔ اگر وہ قیدی کے خاندان سے رابطہ کر سکیں تو وہ امدادی پارسل بھیج سکتے ہیں۔ اور قیدی سے خط و کتابت شروع کر دیتے ہیں۔ جب بڑے پیمانے پر سیاسی گرفتاریاں ہوتی ہیں تو بعض اوقات یہ ناممکن ہو جاتا ہے کہ نشانہ بننے والے ہر شخص کی نشاندہی کی جا سکے، لیکن جہاں کہیں بھی سیاسی بنیادوں پر لوگوں کو گرفتار کیا جاتا ہے ایمنسٹی انٹرنیشنل متعلقہ حکومت پر زور دیتی ہے کہ وہ قیدیوں کے اس حق کا احترام کرے کہ ان کے خلاف مقدمہ کی کارروائی منصفانہ طور پر اور بغیر کسی تاخیر کے مکمل کی جائے۔ دنیا بھر میں ارکان ایسے قیدیوں کے لیے مہم چلاتے ہیں جن میں سے بہت سے سالہا سال سے قید میں ہوتے ہیں۔

ایمنسٹی انٹرنیشنل تشدد اور سزائے موت کے خاتمے کے لیے بھی مہم چلاتی ہے — اس مہم کا اطلاق تمام قیدیوں پر ہوتا ہے۔ جب لوگوں کو تشدد کے معلوم مراکز میں لے جایا جاتا ہے یا انھیں سزائے موت سنائی جاتی ہے تو ایمنسٹی کے اراکین تشدد کے خاتمہ اور سزائے موت پر عمل درآمد رکوانے کے لیے کوششیں شروع کر دیتے ہیں۔ ایسے مواقع پر درجنوں ممالک میں رضاکاروں کو چوکس کیا جا سکتا ہے اور گھنٹوں کے اندر ہی سیکڑوں تاریں اور دیگر اپیلیں متعلقہ حکومت، جیل یا نظر بندی کے مرکز کو روانہ کی جا سکتی ہیں۔

ہماری کوششوں کا نتیجہ کیا ہے؟

پوسٹ کارڈ، تاریں اور پارسل متعلقہ لوگوں کو پہنچ رہے ہیں۔ قیدیوں کے جوابی خط آتے ہیں جن میں سے بہت سے خطوط جیل سے باہر اسمگل ہو کر یا ایئر پورٹ کے سنسر شپ سے بچ کر ہم تک پہنچ جاتے ہیں۔ مشرقی یورپ کے ایک ملک میں جب قانون کے ایک طالب علم کو، جسے سیاسی قیدیوں کی رہائی کے مطالبہ کے لیے دستخطی مہم چلانے کی پاداش میں گرفتار کیا گیا تھا، تین سال قید کی سزا سنائی گئی تو اسی ہفتہ اس کے والد نے ایمنسٹی انٹرنیشنل کو لکھا۔

"آپ نے میرے بیٹے کے دفاع میں جو آواز بلند کی ہے اس کے لیے میں آپ کا شکر گذار ہوں۔ ایمنسٹی انٹرنیشنل ہمارے عہد میں روشنی کا مینارہ ہے خصوصاً ان لوگوں کے لیے جو جیل کی اندھیری کوٹھریوں میں بند ہوتے ہیں اور ان کے چاروں طرف اندھیرا ہی اندھیرا تھا آپ کے بے لوث کام سے یہ روشنی، ان لوگوں کے لیے جنھیں اس کی اشد ضرورت ہے، ایک پھیلتے ہوئے دائرے میں جگمگا رہی ہے۔

ظلم و تشدد کا نشانہ بننے والے بہت سے لوگوں میں لاطینی امریکہ کا ایک استاد بھی تھا۔ جب پولیس اس پر تشدد ڈھا رہی تھی تو انھوں نے عقوبت خانے اور قیدی کے گھر کے درمیان فون کا سلسلہ قائم کیا اور اس کی بیوی کو مجبور کیا کہ وہ اپنے خاوند کے چیخنے، کراہنے کی آوازیں فون پر سنے۔ یہ جانکاہ عذاب سہتے ہوئے بیوی پر دل کا دورہ پڑا اور وہ جانبر نہ ہو سکی قید خود بچ گیا اور بالآخر اسے اپنے بچوں کے ساتھ جلاوطن ہونے کی اجازت دے دی گئی۔ اس نے ہمیں بتایا:

"انھوں نے میری بیوی کو قتل کر دیا ہے۔ وہ مجھے قتل کر دیتے لیکن آپ نے مداخلت کی اور میری زندگی بچالی۔"

کچھ قیدیوں کو ایسی مہموں کے شروع ہونے کے جلد ہی رہا کر دیا جاتا ہے۔ کچھ عام معافی کے تحت آزاد ہو جاتے ہیں جبکہ دوسروں کو اپنی پوری سزا جھیلنی پڑتی ہے۔ تاہم ایمنسٹی انٹرنیشنل یہ دعویٰ نہیں کرتی کہ کسی بھی قیدی کی رہائی اس کی کوششوں ہی کے نتیجہ میں ہوئی ہے، خواہ اس نے اسی قیدی کے بارے میں تحقیق کی ہو یا مہم چلائی ہو۔ مگر ایک بات طے ہے کہ جب ایک دفعہ کسی قیدی کا معاملہ ذمے لے لیا جاتا ہے تو ایمنسٹی انٹرنیشنل اس کی رہائی تک اپنی کوششیں ترک نہیں کرتی۔

ایمنسٹی کی تحریک قیدیوں کے لیے زندگی کی ایک لہر بن چکی ہے ایک شمع امید جس کی روشنی سے ہر وہ شخص فیضیاب ہو سکتا ہے جو انسانی وقار کے دفاع کے لیے کام کرنے پر تیار ہو۔ اس تحریک کی مقبولیت نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ عام لوگ سیاست کا لحاظ رکھے بغیر ظلم و استبداد کو روکنے کی کوشش میں اکٹھے مل کر کام کر سکتے ہیں۔

ایمنسٹی انٹرنیشنل جن قیدیوں کے معاملات اپنے ذمے لیتی ہے ان کی حقیقی طور پر مدد کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ ان کے مصائب کے متعلق بین الاقوامی تشہیر نہایت اہم ہے، اسی طرح سے خطوط اور اپیلوں کا تانتا بھی اہمیت رکھتا ہے۔ ایمنسٹی انٹرنیشنل کے وفود قیدیوں سے ↑

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی لندن کے سفر پر

۲۴ اگست ۸۶ء کو حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ اسلامک سنٹر، آکسفورڈ یونیورسٹی کی سالانہ میٹنگ میں شرکت کی غرض سے لندن تشریف لے گئے ہیں۔ ان شاء اللہ ستمبر کے تیسرے ہفتہ میں واپسی ہوگی۔ مولانا کے رفیق سفر مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی ہیں۔

میرٹھ کے فسادزدہ طلباء و طالبات کے لیے

تعلیمی وظائف

ان طلباء و طالبات کے لیے جن کا مستقبل فساد کے ہاتھوں تاریک ہو گیا ہو اور جن کے لیے اپنا تعلیمی سلسلہ جاری رکھنا تقریباً ناممکن ہو گیا ہو انسٹی ٹیوٹ آف مسلم امّہ افیئرز معقول ماہانہ وظائف کا اعلان کرتا ہے۔

متعلقہ افراد درج ذیل امور کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنی درخواستیں ۵ ستمبر ۱۹۸۶ء تک ارسال کریں۔

- درخواست دہندہ کا کل وقتی طالب علم ہونا ضروری ہے۔
- درخواست مقامی امام مسجد سے تصدیق شدہ ہونی چاہئے اس کے علاوہ میرٹھ میں رفاہی کام کرنے والی کسی جماعت سے اس کی تصدیق کرائی گئی ہو۔
- ایک مختصر تصدیق شدہ BIO-DATA
- درخواست دہندہ کی امام مسجد سے تصدیق شدہ تصویر
- اسکول / کالج / یونیورسٹی کے ذمہ داران سے تعلیمی اسناد کی تصدیق
- فساد سے متاثر ہونے کی مختصر کیفیت، متعلقین کی جانی اور مالی نقصان کا مختصر تخمینہ وغیرہ

انسٹی ٹیوٹ آف مسلم امّہ افیئرز، پی او بکس ۷۷، علی گڑھ ۲۰۲۰۰۱ انڈیا

بقیہ: جان سے پیارا ہے ...

لیکن غیر اسلامی طریقے سے چنے ہوئے خلیفہ کو نبی کا جانشین اور مسلمانوں کا اولی الامر تسلیم نہیں کیا بالآخر دس محرم کے دن اپنے شیر خوار بچے کو شدت پیاس سے تڑپتا ہوا نہیں دیکھ پاتے ہیں اور گود میں لے کر میدان جنگ میں تشریف لے جاتے ہیں کہ شاید ظالموں کو اس معصوم بچے پر رحم آجائے لیکن ظالموں نے اس معصوم بچے کو بھی شہید کر دیا اس طرح جب ظالموں نے خاندان کے بڑوں اور چھوٹوں کو قتل کر دیا، شمر ملعون کو کاٹ ڈالا اور بڑوں سے اکھاڑ پھینکا تو خود حضرت حسینؓ بہ نفس نفیس میدان میں کود پڑتے ہیں اور حضرت حسینؓ کی تلوار آبدار کشتوں کے پشتے لگ جاتے ہیں لڑائی کے دوران شدت پیاس سے بے چین ہو کر آپ گھوڑے کا رخ دریائے فرات کی طرف موڑ دیتے ہیں۔ ساحل پر پہنچ کر آپ پانی پینا چاہتے ہیں کہ کسی بدبخت جہنمی کا تیر آپ کے حلقوم مبارک میں پیوست ہو جاتا ہے اور آپ نڈھال ہو کر زمین بوس ہو جاتے ہیں اور موقع پا کر ایک بدبخت نے آپ کا سر مبارک کو جسم اقدس سے جدا کر دیا۔ انّا للہ وانّا الیہ راجعون۔

حضرت حسینؓ نے رخصت کی راہ کھلی ہونے کے باوجود عزیمت کی راہ اختیار کر کے رہتی دنیا تک کے مسلمانوں کے لیے سنگ میل قائم کیا کہ اسلامی خلافت کو باقی رکھنے کیلئے عزیمت کی راہ اپنانی چاہیے اور اپنا خون دے کر اسے صحیح رخ پر لانے کی کوشش کرنی چاہیے۔

حضرت حسینؓ کی شہادت میں ہمارے لیے یہ سبق ہے کہ اگر دین کے کسی پہلو میں بدعت سر اٹھائے تو کسی حال میں بھی برداشت نہیں کرنا چاہیے نیز دین کے صحیح تصور کو قائم رکھنے اور زندہ و تابندہ دیکھنے کے لیے وسائل و ذرائع اور افراد کی قلت و کثرت سے قطع نظر کیے حق و انصاف کی راہ پر گامزن رہنا چاہیے۔ اصول پرستی کے لیے اگر جان جیسی قیمتی چیز کو قربان کرنے کی ضرورت پیش آئے تو اس سے بھی دریغ نہیں کرنا چاہیے

قتل حسین اصل میں مرگ یزید ہے
اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

↲ اکثر باضابطہ ملاقاتیں کرتے ہیں اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ تشدد کا نشانہ بننے والوں کا معائنہ کرنے کے لیے ان وفود میں ڈاکٹر بھی شامل ہوں۔ ایمنسٹی انٹرنیشنل کے میڈیکل گروپ، قیدیوں کے لیے بہتر علاج معالجے اور رہائی کے بعد ان کی آزادانہ دیکھ بھال اور بحالی میں مدد دیتے ہیں۔ قیدیوں اور ان کے اہل خاندان دونوں کے لیے خوراک لباس اور دیگر امداد فراہم کرنے کے لیے چندہ جمع کیا جاتا ہے۔

ایمنسٹی انٹرنیشنل حکومتوں کی انسانی حقوق کے ریکارڈ کے مطابق درجہ بندی نہیں کرتی اور نہ ہی کوئی بلیک لسٹ تیار کرتی ہے مختلف ممالک میں جبر و تشدد نہ صرف انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کے متعلق معلومات کے آزادانہ پھیلاؤ کو روکتا ہے بلکہ جبر و تشدد کے طریقے اور ان کے اثرات بھی مختلف جگہ وسیع طور پر مختلف ہوتے ہیں۔ کچھ ممالک میں عدالتیں ضمیر کے قیدیوں کو طویل المیعاد سزائیں دیتی ہیں۔ جبکہ بعض دوسرے ملکوں میں انھیں سالوں تک مقدمہ چلائے بغیر جیلوں میں رکھا جاتا ہے۔ کچھ ممالک میں تفتیش کے دوران تشدد کے لیے بجلی کے جدید آلات استعمال کیے جاتے ہیں جبکہ کچھ دوسرے ملکوں میں نفسیاتی حربے استعمال کیے جاتے ہیں۔ موازنہ کی کوشش کرنے کے بجائے ایمنسٹی انٹرنیشنل ہر معاملہ میں انسانی حقوق کی مخصوص خلاف ورزیوں کے خاتمہ کی کوشش کرنے پر توجہ مرکوز کرتی ہے۔ ★★

عالم اسلام

محمود الازہار ندوی

تنزانیہ کے سابق صدر نریرے کا پورا خاندان مسلمان

تنزانیہ کے سابق صدر جولیس نریری کی لڑکی نے اپنے قبول اسلام کا اعلان کیا ہے۔ یہ خبر اردن کے دارالسلطنت سے شائع ہونے والے ماہنامہ "ارض الاسراء" کے رجب کے شمارے میں شائع ہوئی ہے رسالہ مذکور مزید لکھتا ہے کہ اس سے قبل سابق صدر نریری کے تمام لڑکے لڑکیاں دارالافتاء والبحوث الاسلامیہ، سعودی عرب کے مبعوث شیخ عباس مصطفےٰ کے ہاتھوں اسلام قبول کر چکے ہیں۔

نریری کی اسلام دشمنی سے کون واقف نہیں ہے اس کے عیسائی مشنریوں سے بہت قریبی روابط تھے اور نریری کی افواج نے زنجبار کو آزادی کی سانس نہ لینے دیا اور اس پر قبضہ کر لیا اور وہاں کے مسلمانوں پر جو مظالم کیے وہ تاریخ کا ایک خون آشام دور ہے، نیز نریری ہی کے تعاون و امداد سے یوگنڈا کے معزول صدر ملٹن اوبوٹے عیدی امین کی حکومت کو ہٹا کر دوبارہ برسر اقتدار آیا، اور مسلمانوں کو اور خاص طور سے عیدی امین حامی افواج کو سوڈان میں پناہ لینے پر مجبور ہونا پڑا۔ اور خود عیدی امین جلاوطنی زندگی گذار رہے ہیں۔

ایرانی فضائیہ میں اسرائیلی پائلٹ

حال ہی میں اسرائیلی فضائیہ کے تین پائلٹ ایران میں فوجی خدمات انجام دے کر اسرائیل واپس پہنچے ہیں۔ کویت کی آمدہ اطلاع کے مطابق اسرائیلی ریڈیو کی نشریات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان تینوں ہوابازوں جو کہ اسرائیلی مینٹم پائلٹس کہلاتے ہیں - ۱۹۸۴ء میں مغربی جرمنی کے راستے ایرانی دارالحکومت تہران پہنچے تھے ۱۹۸۵ء میں عراقی فضائیہ نے ان میں سے دو کے ہوائی جہازوں کو مار گرایا تھا اس حادثے میں دونوں اسرائیلی ہواباز شدید زخمی ہوئے تھے اور ایک طویل عرصے تک تہران کے ایک ہسپتال میں زیر علاج رہے ۱۹۸۶ء کے اوائل میں جب ان سے ایرانی فضائیہ میں دوبارہ اپنی خدمات انجام دینے کے متعلق بات ہوئی تو انہوں نے جنوبی افریقہ کی طرف نکلنے کی کوشش کی بالآخر ان دونوں سمیت تینوں پائلٹ پہلے ترکی اور پھر وہاں سے امریکہ نکلنے میں کامیاب ہو گئے امریکہ میں کچھ عرصہ ایک فضائی مسافر کمپنی کے ساتھ کام کر کے یہ تینوں پائلٹ واپس اسرائیل پہونچ گئے۔

مسلم ممالک میں پناہ گزینوں کی تعداد ۷ ملین سے زائد ہے

پناہ گزینوں کا مسئلہ دنیا کے ایک سنگین مسئلہ بنا ہوا ہے اور یہ تعداد دن بدن بڑھتی ہی جا رہی ہے لیکن اس خبر کا دلچسپ اور قابل غور پہلو یہ ہے کہ دنیا میں پناہ گزینوں کی جتنی تعداد ہے ان میں سے اکثریت سیاسی وجوہ کی بنا پر ترک وطن کرنے پر مجبور ہوئی ہے البتہ ایک بڑی تعداد وہ بھی ہے جو قحط سالی اور اشیاء خورد و نوش کی شدید قلت کی وجہ سے پڑوسی ممالک میں پناہ گزین ہو گئی ہے اور اب تک وہ وہاں کی معاشیات پر اثر انداز ہو رہی ہے اسی کے ساتھ اس خبر کا ایک اور پہلو قابل غور یہ ہے کہ ان میں کی اکثریت کا تعلق مسلم ممالک سے ہے جہاں کے حالات سازگار نہ ہونے کی وجہ سے وہ دوسرے ملکوں میں پناہ گزیں کی زندگی گذار رہے ہیں۔ ان میں سرفہرست فلسطینی پناہ گزیں ہیں جو چالیس سال سے اردن، دریائے اردن کا کنارہ، غزہ کی مغربی پٹی، شام اور لبنان میں پناہ گزینوں کی زندگی گذار رہے ہیں افغان مہاجرین کی ایک بڑی تعداد پاکستان میں ہے جو بوجھ پاکستان برداشت کر رہا ہے۔ مسلم ملکوں میں پناہ گزینوں کی تعداد اس طور پر ہے۔

اردن، دریائے اردن کا مغربی کنارہ غزہ پٹی، شام اور لبنان میں ۲۰۳۰۰۰۰ لاکھ فلسطینی پناہ گزیں ہیں اور ۲۶ء۲ ملین افغانی پناہ گزیں پاکستان میں ہیں (جبکہ بعض اعداد و شمار کے مطابق افغانی پناہ گزینوں کی تعداد پاکستان میں ۳۰ لاکھ سے زائد ہے) اور ایران میں ۹ء۱ ملین افغانی پناہ گزیں ہیں اور ۴۰۰۰ ہزار افغانی پناہ گزیں ترکی میں ہیں اور ۲۰۰۰ ہزار فلپائنی پناہ گزیں ملیشیا میں ہیں اور ۷۰۰۰ ہزار چاڈ کے پناہ گزیں سوڈان میں ہیں اور ۰۰۰ء۸۰۰ ایتھوپیائی پناہ گزیں مشرقی سوڈان میں ہیں اور ۰۰۰ء۱۶۵ صحاری کے پناہ گزیں الجزائر میں اور یوگنڈا و عراق کے پناہ گزینوں کی ایک بڑی تعداد مختلف ملکوں میں پھیلی ہوئی ہے۔ اس طرح ۲ لاکھ بہاری مسلمان بنگلادیش میں پاکستان واپس جانے کے انتظار میں پناہ گزینوں کی زندگی گذار رہے ہیں اس طور پر صرف مسلم ممالک میں پناہ گزینوں کی تعداد ۷ ملین سے زائد ہے

بیرون ملک کے حجاج کی تعداد

اس سال (۱۴۰۷ھ) میں باہر سے آنے والے حجاج کی تعداد ۹۶۰۳۸۶ تھی جو سال گذشتہ کے حج کرنے والوں کی تعداد سے ۱۰۳۶۶۸ زائد ہے جب کہ ۱۴۰۶ھ میں حاجیوں کی تعداد ۸۵۶۷۱۸ تھی اس میں ممالک عربیہ کے حاجیوں کی تعداد ۴۰۱۰۷۹ تھی اور ایشیائی ممالک کے حاجیوں کی تعداد ۵۰۸۳۶۸ تھی اور بقیہ افریقی ممالک کے حاجیوں کی تعداد ۲۱۱۱۴ تھی جب کہ یورپ امریکا اور آسٹریلیا کے حجاج کی تعداد ۸۸۲۸ تھی اور مملکت میں مقیم افراد جنھوں نے حج کے لیے اجازت نامے حاصل کیے تھے ان کی تعداد ۱۶۱۵۷۹ تھی۔

نوجوانوں میں بیکاری بڑھ رہی ہے

عالمی طور پر نوجوانوں میں بے کاری کا اضافہ ہو رہا ہے یہ بات عالمی ادارہ روزگار کے دفتر نے ۱۹۸۶ء کی سالانہ رپورٹ

میں کہی گئی ہے ان کی بے روزگاری کا اوسط ترقی یافتہ ممالک میں ۲۲ء۶۰ فیصد ہے۔ اور یہ اوسط ترقی پذیر ممالک میں ۲۵ سال کے نوجوانوں میں ۲۷ سے ۳۰ فی صد ہو جاتا ہے اعداد و شمار سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۹۸۵ء تک ترقی یافتہ ممالک میں بیکاری کا اوسط تھوڑا بہت کم ہوا ہے اور بعض صنعتی ممالک میں یہ اوسط ۱۹۸۲ء سے ۱۹۸۵ء کے درمیان زیادہ گرا ہے۔ کینیڈا میں بے کاری کا اوسط ۴۳ سے ۳۶ فی صد رہ گیا ہے۔ فنلینڈ میں یہ اوسط ۲۹ سے ۲۴ ہو گیا ہے اسرائیل میں ۴۶ سے ۴۲ ہو گیا ہے اٹلی میں ۶۲ سے ۶۰ ہو گیا ہے ہالینڈ میں ۴۵ سے ۳۸ ہو گیا نیوزی لینڈ میں ۶۱ سے ۵۸ ہو گیا ہے پرتگال میں ۶۲ سے ۵۴ ہو گیا ہے اور اسپین میں ۵۱ سے ۴۸ ہو گیا ہے جبکہ ترقی یافتہ ممالک میں یہ اوسط بڑھا ہے جیسے آسٹریلیا میں ۲۶ سے ۲۹ ہو گیا ہے اور یونان میں ۲۱ سے ۲۴ اور آئرلینڈ میں ۲۹ سے ۳۰ ہو گیا ہے۔

ترقی پذیر ممالک میں ۱۹۸۲ء سے ۱۹۸۵ء کے درمیان بے کاری کا اوسط بڑھا ہے۔ ارجنٹائن میں ۴۲ سے ۴۴ چیلی میں ۴۰ سے ۴۴ ہانگ کانگ میں ۴۹ سے ۵۰ اور گوائے میں ۴۴ سے ۴۵ ہو گیا ہے اور اس مدت میں بعض ممالک میں یہ اوسط گرا ہے کوستاریکا میں یہ اوسط ۵۷ سے ۴۳ رہ گیا ہے اور قبرص میں ۴۲ سے ۲۷ جمہوریہ کوریا میں ۴۸ سے ۴۲ اور سنگاپور میں ۵۷ سے ۴۵ فی صد رہ گیا ہے۔

رپورٹ میں افریقی ممالک جہاں روزگار کی فراہمی ایک مسئلہ ہے اور تیسری دنیا کے سامنے بھی ان ممالک میں روزگار کی فراہمی ایک مسئلہ بنی ہوئی ہے اس کے اعداد و شمار نہیں ملتے ہیں جبکہ تیسری دنیا میں نوجوانوں کی افرادی قوت ۳۴ فی صد ہے جبکہ صنعتی ممالک میں نوجوانوں کی طاقت ۲۰ فی صد ہے۔

ایرانی جنرل عباس بابائی مکہ معظمہ میں ایرانی مظاہرہ میں مارا گیا

چند روز پہلے ایران نے اعلان کیا تھا کہ ایرانی فضائیہ کے ایک بریگیڈیر جنرل عباس بابائی ایران عراق جنگ میں مارے

(بقیہ ص پر)

فساد اور خرابی کا سرچشمہ
ہندوؤں میں ذات پات کی کشمکش

تحریر: گری لال جین — تلخیص و ترجمہ: سعید تابش ایم اے

یہ محض ایک اتفاق ہی ہے کہ یوپی میرٹھ کی فرقہ وارانہ خونریزی کے فوراً بعد بہار میں دیل چھک اور باگھورا میں یادوؤں کے ذریعہ ہریجنوں کا قتل عام ہوا۔ اگرچہ یہ دونوں واقعات الگ الگ ہیں، لیکن یہ دونوں ملک کی پیچیدہ سماجی حقیقت کے دو گھناؤنے رخوں کی نشاندہی کرتے ہیں۔

بظاہر یہ بات حیرت انگیز ہے کہ ملک کے مختلف حصوں میں ہندو اور مسلمان بار بار معمولی باتوں پر ایک دوسرے کو قتل کریں، جب خود ہندوؤں کے درمیان ذات پات کی کشمکش بہت تلخ اور پرتشدد ہو چکی ہے، جیسا کہ دیل چھک اور باگھورا کے واقعات سے ظاہر ہے، لیکن یہ دونوں حقیقتیں ہیں اور ہم کسی سے بھی چشم پوشی نہیں کر سکتے۔

عام طور سے یہ خیال کیا جاتا ہے کہ ہندو مسلم کشمکش ہندوؤں میں ذات پات کے تنازعات سے زیادہ قدیم ہے اور اس لیے یہ زیادہ بنیادی چیز ہے جبکہ حقیقت اس سے کہیں زیادہ پیچیدہ ہے۔ ہندو اپنی تاریخ کی ابتدا ہی سے آپس میں برسر پیکار رہے ہیں۔ ان کے ادب سے ایک سرسری واقفیت ہی اس سوال کا جواب دینے کے لیے کافی ہے۔ رگ وید میں خود آریوں کے درمیان ہونے والی تباہ کن جنگوں کا ذکر موجود ہے۔ ایک ایسا ہندو معاشرہ جس میں امن و امان ہو، محض خیالی افسانہ ہے، جسے ۱۹ویں صدی کے معذرت خواہوں نے تیار کیا تھا۔ یہ خیالی افسانہ ایک عرصہ تک چلتا رہا، لیکن اب واقعات کے ہاتھوں اس کے تانے بانے بکھرتے جا رہے ہیں۔

جنگوں کی طرح یہ ذات پات کی کشمکش بھی معاشرہ میں ایک بلند اور رہنما طبقہ کی عدم موجودگی کا نتیجہ ہوتی ہے۔ ہندوؤں میں کوئی ایسا بلند اور رہنما طبقہ موجود نہیں جو باقی سماج پر اپنی مرضی چلا سکے۔ ذاتوں اور ورنوں کے وہ اصول جن کے ذریعہ معاشرہ پر حاوی برہمنوں نے ماضی میں ہندو سماج کو منظم کیا اور باقی رکھا، انھیں اب مساوات اور یکسانیت کے نعروں سے زبردست چیلنج کا سامنا ہے اور اب ذاتوں اور ورنوں کے ان قوانین کا زیادہ دنوں تک چلنا ممکن نہیں ہے چاہے انھیں ختم ہونے میں ابھی برسوں کا وقت لگے۔ اس روشنی میں دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ ہندوؤں میں ذات پات کی کشمکش اتنی ہی بنیادی ہے جتنی کہ ہندو مسلم کشمکش چاہے ان دونوں کی خونریزی یکساں نہ ہو۔

ملک میں اس وقت جو ہلچل ہم دیکھ رہے ہیں، اس کی بنیاد میں یہی ہندوؤں کے درمیان پائی جانے والی کشمکش ہے۔ کھلی ہوئی بات ہے کہ کسی بھی ملک میں سماجی امن و امان برقرار نہیں رہ سکتا اگر وہاں کا نام نہاد اکثریتی طبقہ آپس میں برسر پیکار ہو جیسا کہ ہندو ہیں۔ ظاہر ہے کہ ایسا فرقہ اس قومی دھارے کی تشکیل نہیں کر سکتا جس میں شامل ہونے کی وہ دوسروں سے توقع کرتا ہے، وہ ایسے اصول و قوانین منضبط نہیں کر سکتا جن کا اجراء و اطلاق وہ دوسروں پر کر سکے، وہ ایک ایسے مرکزی ڈھانچے کی تعمیر نہیں کر سکتا جس کے اردگرد سخت مخالف عناصر بھی ایک قوم کی کامیابی کے ساتھ تعمیر کی جا سکے۔ کوئی بھی ہندو چاہے وہ فرقہ پرور ہو یا آزاد خیال اپنے معاشرہ کے بارہ میں اس حقیقت کا سامنا کرنا نہیں چاہتا، صرف اس لیے کہ یہ حقیقت بعد پریشان کن ہے۔ اول الذکر کے لیے اس واسطے کہ اس سے اس کے ہندو راشٹر کا خواب چکنا چور ہوتا ہے اور آخر الذکر کے لیے اس واسطے کہ اس حقیقت سے اس کے اس نظریہ ستمار کا تار و پود بکھر جاتا ہے، جس کی بنیاد پر اکثریتی فرقہ اقلیتوں پر حکمرانی کرتا ہے۔ یہ نظریہ انگریزوں کے ساتھ یہاں آیا۔ وہ واضح مذہبی، لسانی اور ثقافتی فرقوں کے بارے میں سوچنے کے عادی تھے اور انھوں نے اسی ہیولے سے ہندوستان کو بھی ناپا۔

۱۸ویں صدی اور ۱۹ویں صدی میں جب یورپ میں نسلی نظریات کا فروغ ہوا تو انگریزوں نے ہندوستان میں بھی اسی نظریہ کا استعمال کیا۔ ان کی نگاہ میں ہندو اور مسلمان دو مختلف نسلوں سے تعلق رکھتے تھے۔ اس سلسلہ میں یہ حقیقت بھی ان کے سامنے آئی کہ زیادہ تر مسلمان وہ تھے جو ہندوؤں سے مسلمان ہوئے تھے لیکن اس سے سرکاری پالیسی میں کوئی فرق واقع نہیں ہوا۔ اتفاق سے سرسید احمد خاں نے بھی یہی کہا ہے کہ مسلمان ایک مختلف نسل تھے۔

ہماری سماجی تقسیم کے بارے میں انگریزوں کا کیا نقطہ نگاہ تھا موجودہ بحث میں اسے مرکزی حیثیت حاصل نہیں۔ زیادہ اہم اور قابل غور نکتہ یہ ہے کہ خود اپنے معاشرہ کی حقیقت کو جانچنے، پرکھنے اور اسے سمجھنے کے بجائے فرقہ پرور اور آزاد خیال دونوں قسم کے ہندو مسلمانوں کی جانب پلٹ پڑتے ہیں۔ اول الذکر ایک ایسے قربانی کے بکرے کی تلاش میں جس کے سر وہ اپنی ایک ہزار سالہ بدنصیبیوں کا الزام رکھ سکیں اور آخر الذکر ایک ایسی قابل رحم چیز کی تلاش میں جس پر وہ اپنی روشن خیال انسانی ہمدردی کو صرف کر سکیں۔ ناگزیر طور پر دونوں قسم کے ہندوؤں نے فرقہ وارانہ مسئلہ کی جو تشخیص کی وہ سادہ لوحی پر مبنی تھی اور انھوں نے اس کا جو حل پیش کیا وہ ناقابل عمل تھا۔

فرقہ پرور ہندو چاہے جو بھی یقین رکھیں یا کہیں، ہندوستان میں مسلمانوں کی موجودگی کو ان کے نام نہاد ہندو راشٹر کے خواب کے پورا نہ ہونے کا ذمہ دار قرار نہیں دیا جا سکتا۔ یہ ایک غیر معمولی بات ہے کہ اس نظریہ کے حامیوں نے تقسیم وطن کی مخالفت کی ہو لیکن یہ ایک دوسرا معاملہ ہے۔ زیادہ اہم بات یہ کہ تقسیم کے بعد ملک کا جو حصہ بچا وہ عملی نقطہ نگاہ سے ایک ہندو ریاست تھا، کیونکہ مسلمان سرکاری ملازمین کی اکثریت خواہ وہ فوجی ہوں یا شہری نیز درمیانہ طبقہ کے تعلیم یافتہ مسلمان اکثر پاکستان چلے گئے۔ ہندوؤں نے ایک جمہوری سیاسی نظام کو اپنایا لیکن وہ محض اپنی طاقت کے بل بوتے پر اسے برقرار رکھنے میں ناکام ہوتے۔ بے شک اگر ہندوستان میں بڑی حد تک سیاسی استحکام رہا تو اس کی وجہ یہ تھی کہ مسلمانوں اور ہریجنوں نے کانگریس کی حمایت کی۔

فرقہ پرور ہندو پنڈت نہرو پر یہ الزام لگاتا ہے کہ انھوں نے سیاسی عمل کو سیکولر رنگ دیا جو اس کے خیال میں ہندو مخالفت تھا، لیکن سوال یہ ہے کہ ایک ایسے ملک میں جہاں ہندو بھاری اکثریت میں تھے، پنڈت نہرو ایک ہندو مخالف کام کر کے کس طرح جیت سکتے؟

ہندو راشٹر کے خواب کی طرح آزاد خیال ہندوؤں کا سیکولر ہندوستان کا نظریہ بھی اپنے حقیقی معنی میں ایک عرصہ تک محض سراب ہی بنا رہے گا، اس کے دو سبب ہیں۔ پہلا یہ کہ مسلمان ہندوؤں کو ترغیب دے سکتے ہیں یا انھیں مجبور کر سکتے ہیں کہ وہ ملکی اقتدار میں انھیں متاثر کن طریقہ سے شریک کریں لیکن وہ ہندوؤں کو ایسی ترغیب نہیں دے سکتے، کیونکہ وہ اپنے علیحدہ امتیازی تشخص پر اصرار کرتے اور اسے ہندوستان کے ماضی سے علیحدہ کرتے رہے ہیں۔ وہ ہندوؤں کو مجبور بھی نہیں کر سکتے، کیونکہ ایسا کرنے کی ضروری طاقت ان کے پاس نہیں ہے۔ اگر کبھی وہ یہ طاقت حاصل بھی کر لیں تو اس کے نتائج اتنے بھیانک ہوں گے کہ ان کا تصور بھی محال ہے۔

دوسری طرف ہندو نہ مسلمانوں کو اقتدار میں پوری طرح شریک کر سکتے ہیں نہ وہ مسلمانوں کو اقتدار سے خارج کر سکتے ہیں۔ وہ مسلمانوں کو اقتدار میں پوری طرح شریک اس لیے نہیں کر سکتے کہ تقسیم وطن کی یادیں ان کا پیچھا کرتی رہتی ہیں اور مسلمانوں کا یہ عزم و ارادہ کہ وہ اپنے علیحدہ مذہبی اور ثقافتی تشخص کو برقرار رکھیں گے، ان کے خیال کو استحکام دیتا ہے۔ وہ مسلمانوں کو اقتدار سے خارج بھی نہیں کر سکتے کیونکہ ملک میں مسلمانوں کی اچھی خاصی مختلف النوع آبادی ہے اور وہ سیاسی طور پر بیدار بھی ہیں، نیز ہندو کسی بھی ایسی اکثریتی جماعت کو پیدا نہیں کر سکتے جسے مسلمانوں کی حمایت کی ضرورت نہ ہو، یہاں تک کہ بھارتی جنتا پارٹی بھی جو راشٹریہ سیوک سنگھ کی حمایت یافتہ سابق جن سنگھ ہے مسلم ووٹوں کی تمنا کرتی ہے، اور شاید بلاوجہ ایسا نہیں کرتی۔

آزاد خیال ہندوؤں کا یہ عام عقیدہ ہے کہ مسلم فرقہ پرستی خود مسلمانوں کے اپنے "اقلیتی احساس" کی پیداوار نیز ان کو ان کا جائز حق دینے سے ہندوؤں کے انکار کا نتیجہ ہے۔ ان دونوں باتوں میں سچائی ہے۔ مسلمان صرف ایک اقلیت ہی نہیں ہیں بلکہ وہ ایک خود آگاہ اقلیت ہیں۔ اور اس سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ مسلمانوں کو انتظامیہ، فوج اور معیشت کے جدید حلقوں میں مناسب نمائندگی حاصل نہیں ہے۔ لیکن اس کا ایک سبب خود مسلمانوں کی اپنی تعلیمی پسماندگی ہے۔

(بشکریہ "ٹائمز آف انڈیا")

بقیہ سوال جواب صـ۲ کا

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبیؐ نے فرمایا کہ جب میت کو قبر میں (اتارو یا لٹاؤ) رکھو تو یہ دعا پڑھو۔
بسم اللہ وعلیٰ ملۃ رسول اللہ
(احمد، ابوداؤد، ترمذی)

اعلان

ڈرافٹ سکریٹری مجلس صحافت و نشریات لکھنؤ کے نام بنائیں، منی آرڈر تعمیر حیات کے نام ارسال کریں، چیک سے ہرگز رقم نہ بھیجیں۔
(ادارہ تعمیر حیات)

طلبہ کا صفحہ — طارق شفیق

پاسدارِ اسلام

اسلامی تاریخ کا ہر طالب علم جانتا ہے کہ اسلام انتہائی سخت حالات میں فروغ پاتا ہے اور مومنین کو سخت ترین آزمائشوں سے گذرنا پڑتا ہے۔ کبھی ان کو اسلام کی خاطر گھر بار چھوڑنا پڑتا ہے تو کبھی وطن عزیز کو خیرآباد کہنا پڑتا ہے۔ کبھی زن و فرزند سے مفارقت اختیار کرنی پڑتی ہے تو کبھی عیش و آرام اور لذائذ حیات کو ترک کرنا پڑتا ہے، کبھی زخموں سے چور نظر آتے ہیں تو کبھی خون میں لت پت دکھائی دیتے ہیں اور ہزار ہا طرح کے خطرات قسم قسم کے مصائب و نوائب اور ابتلاء و آزمائش سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ ان آزمائشوں اور مصائب و آلام سے اس لیے گذرنا پڑتا ہے کہ وہ اپنا خلوص اور یقین ثابت کریں۔ اپنی سچائی و وفاداری کے لیے قربانیاں دے کر یہ ثابت کریں کہ ان کا دعوائے عشق و ایمان کتنا قابل اعتماد ہے۔ تاریخ کے اوراق شاہد ہیں کہ جب بھی کسی دل کی گہرائی سے پورے شعور کے ساتھ لا الٰہ الا اللہ کی آواز اٹھی تو اس کا استقبال کبھی طوق و سلاسل سے کیا گیا، تو کبھی آرے سے چیرا گیا، کبھی لوہے کی کنگھیوں نے اس کے جسم کا قیمہ بنا دیا تو کبھی کوڑے کی ضربوں نے اس کے بدن کو چور کیا۔ غرضیکہ اسلامی تاریخ کا ہر صفحہ خون شہادت کی گلکاریوں سے رشک گلستاں ہے۔ ایسا ہی ایک حسرت ناک، جگر پاش اور دل خراش واقعہ ۱۰ محرم ۶۱ھ کو پیش آیا جسے تاریخ قیامت تک نہیں بھلا سکتی۔ جب ایک مرد مجاہد نے سیاسی پہلو میں خود رائیت اور انتخاب کے بجائے نامزدگی کے خلاف آواز اٹھائی تو ظالموں نے ریگستان کربلا میں بچوں کے گریہ و بکا، عورتوں کی آہ و فغاں میں، گرمی کی چلچلاتی دھوپ اور کربلا کی تپتی ہوئی زمین میں پانی کی ایک ایک بوند کے لیے تڑپا تڑپا کر ان کے دعوے کا ثبوت طلب کیا۔

حضرت عثمانؓ کی مظلومانہ شہادت کے بعد مسلمانوں کی اجتماعی زندگی کا شیرازہ بکھر گیا، مسلمانوں کی جمعیت ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی اور وہ تلوار جو اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے وقف تھی بدقسمتی سے ذوالنورینؓ کی شہادت کے بعد اس کا رخ خود مسلمانوں کی طرف ہو گیا اور پورے دور حیدری میں مسلمان اپنا ہی خون بہانے میں مصروف رہے بالآخر ۴۰ھ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے جام شہادت نوش فرمایا۔ اس طرح سے شجاعت و شہامت کا آفتاب جس کی تابانی و درخشانی خانگی فتنوں کی بدلیوں میں چھپی رہی غروب ہو گیا اور خلافت راشدہ کا عہد روشن جو تاریخ اسلام کی پیشانی کا نور تھا ختم ہو گیا۔

حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد آپ کے بڑے صاحبزادے حضرت حسنؓ مسلمانوں کے خلیفہ مقرر ہوئے لیکن چھ ماہ کے بعد وہ امیر معاویہؓ کے حق میں دست بردار ہو گئے اور اس طرح مسلمان ایک بار پھر متحد ہو گئے اور ان کی تلوار پھر اعلاء کلمۃ اللہ اور اتحاد ملت کے لیے وقف ہو گئی۔

۴۱ھ میں حضرت امیر معاویہؓ عالم اسلامی کے متفقہ حکمراں قرار پائے۔ خلافت راشدہ کا دور جس میں خلیفہ کے انتخاب کا حق بلا واسطہ یا بالواسطہ جمہور امت کو تھا اور جس میں خلیفہ عوام کے سامنے جواب دہ اور ان کا خادم ہوتا تھا، ختم ہو گیا اور بادشاہی دور کا آغاز ہوا، اگرچہ یہ بادشاہ جس کو رسول کریمؐ کی غلامی کا شرف حاصل تھا جس نے خلافت راشدہ کے نظام حکومت کو دیکھا ہی نہ تھا بلکہ خود اس نظام کی ایک کڑی رہ چکا تھا، بادشاہی کا بہترین نمونہ تھا۔

حضرت امیر معاویہؓ کا دور حکومت امن و اطمینان کا دور تھا۔ مسلمانوں کی خانہ جنگی رک گئی تھی اور مسلمانوں کی تلواریں جو ایک دوسرے کی گردن پر چل رہی تھیں ان کا رخ پھر دشمنان اسلام کی طرف پھر گیا۔ چنانچہ ان کے زمانے میں بعض اہم فتوحات ہوئیں اور اس طرح اسلام کی سطوت کا ڈنکا دوبارہ بجنے لگا۔

یہ سب کچھ ہوا مگر آخر میں حضرت امیر معاویہؓ سے ایک ایسی اجتہادی غلطی ہوئی جس نے ان کی دوسری خوبیوں پر پردہ ڈال دیا اور تاریخ اسلام کے صفحات کو نواسۂ رسول کے خون سے داغدار بنا دیا۔ "شہید کربلا"

۵۶ھ میں حضرت مغیرہ بن شعبہ کے مشورہ پر یزید اپنے باپ حضرت معاویہؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنے ولی عہد بنانے کی خواہش ظاہر کی، چنانچہ حضرت معاویہؓ محبت پدری کی وجہ سے یزید جیسے کم استحقاق رکھنے والے شخص کو اپنی زندگی ہی میں نامزد کر کے بلکہ باقاعدہ ولی عہد بنانے پر آمادہ ہو گئے۔ انتہا یہ نہیں مزید اس کے لیے طاقت اور دباؤ سے کام لینے میں بھی انھوں نے باک محسوس نہیں کیا۔ الغرض مدینہ کے گورنر مروان بن حکم نے جب یزید کی جانشینی کا اعلان و اظہار کیا تو دینی بصیرت رکھنے والے حق گو سامنے آئے اور برملا اس کی مخالفت کی کہ جو شخص لہو و لعب کا شوقین اور سیر و شکار کا دلدادہ ہو وہ کیسے خلافت کے فرائض انجام دے سکتا ہے۔ یہ حق گو وہ تھے جو اس دور میں پیدا ہوئے تھے جسے زبان نبوت نے خیر القرون فرمایا۔ جن کی زندگی اس مقدس شہر میں گذری جس پر حضرت جبرئیل امین کے پروں کا سایہ پڑتا رہا۔ جو درسگاہ نبوت کے شاگرد تھے جنھوں نے خاتم آخری نبی کی نگاہوں کے نور سے اپنے ذہن و دل کو منور کیا تھا۔ چنانچہ حضرت عبدالرحمان بن ابی بکر نے چیخ چیخ کر کہا "تم اور معاویہ دونوں غلط کہتے ہو اس سے امت کی بھلائی مقصود نہیں ہے بلکہ خلافت کو ہرقل کی شاہنشاہی بنانا چاہتے ہو کہ ایک ہرقل کے بعد دوسرا ہرقل اس کا جانشین ہو۔"
(تاریخ اسلام دوم دارالمصنفین)

"مروان نے کہا امیر المومنین حضرت معاویہ کہتا ہے کہ ابوبکر و عمرؓ کی طرح یزید کو نامزد کر جائیں۔ عبدالرحمن ابن ابی بکر نے اس جواب میں کہا یہ ابوبکر و عمرؓ کی سنت نہیں بلکہ قیصر و کسریٰ کا طریقہ ہے ان دونوں نے اپنے لڑکوں کو ولی عہد نہیں بنایا بلکہ قرابت والوں کو بھی اس سے دور رکھا [illegible]

حضرت امیر معاویہؓ کے ۶۰ھ میں انتقال کے بعد یزید تخت خلافت پر متمکن ہوا اور سب سے پہلے ان حضرات سے بیعت لینے کی طرف توجہ کی جنھوں نے اس کی ولی عہدی تسلیم نہیں کیا تھا کیونکہ ابھی آفتاب نبوت کو غروب ہوئے صرف نصف صدی گذری تھی۔ عالم اسلام کا آسمان ابھی نبوت کی روشنی سے فیض حاصل کیے ہوئے ستاروں سے بالکل خالی نہ تھا مرکز اسلام میں ابھی حضرت عبدالرحمان ابن ابی بکرؓ، حضرت عبداللہ ابن عمرؓ، حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ اور حضرت حسین ابن علیؓ جیسے بزرگ اور دین شناس موجود تھے۔ ان حضرات نے یزید جیسے نامناسب شخص کو جس کا سینہ علم نبوت سے خالی تھا جس کی زبان نغمہ و سرود کے لیے وقف تھی اور جس کے ہاتھ ساغر و مینا سے جدا نہ ہوتے تھے خلیفہ تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ اس انکار جرم کی پاداش میں حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ اور حضرت حسین ابن علیؓ کو اپنے دیار حبیب کو خیرباد کہنا پڑا اور مکہ معظمہ میں قیام پذیر ہونا پڑا۔

جب اہل کوفہ کو یہ خبر ملی کہ حضرت امام حسینؓ نے یزید کی بیعت سے انکار فرما دیا ہے اور مکہ معظمہ میں قیام اختیار فرمایا ہے تو انھوں نے سیکڑوں خطوط آپ کی خدمت میں بھیجے اور اپنی وفاداری کا یقین دلایا۔ ان خطوط کا مضمون یہ تھا۔

"امابعد! اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے آپ کے ظالم و جابر اور غاصب دشمن حضرت امیر معاویہؓ کو ہلاک کیا۔ اب صورت حال یہ ہے کہ ہم بغیر امام کے ہیں آپ تشریف لائیں تاکہ آپ کے ذریعہ ہم حق پر جمع ہو جائیں"
(شہید کربلا)

ان خطوط کے باوجود حضرت حسینؓ نے حالات کی تفتیش کیلئے اپنے چچازاد بھائی مسلم بن عقیل کو کوفہ روانہ کیا۔ مسلم بن عقیل نے کوفہ پہنچ کر خط لکھا کہ حالات سازگار ہیں اور اٹھارہ ہزار اہل کوفہ نے میرے ہاتھ پر بیعت کر لی ہے لہٰذا آپ بلا توقف تشریف لے آئیں۔ اس خط کے بعد حضرت امام حسینؓ نے کوفہ جانے کا عزم راسخ کر لیا مگر حضرت امام حسینؓ کے عزیزوں اور مخلصوں میں سے جو لوگ کوفیوں کی پست ہمتی، تلون مزاجی، غداری اور زمانہ سازی سے واقف تھے انھوں نے بہت ہی سمجھایا کہ خدارا آپ کوفہ کا ارادہ نہ کریں بلکہ مکہ میں رہ کر تبلیغ کا کام کیجئے ہم سب آپ کے ساتھ ہیں۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو پامال ہوتے ہوئے اور قیصر و کسریٰ کے طریقوں کو رائج ہوتے ہوئے، حریت فکر کو پابند زنجیر ہوتے برداشت نہ کر سکا اور یہ سوچ کر کہ حکومت غیر اسلامی رخ اختیار کر چکی ہے اسے صحیح رخ پر لانے کا بہترین موقع اللہ نے عطا کیا ہے اس سے روگردانی خدا کی ناشکری ہے باطل پر حق کو غالب کرنے کے لیے اپنے عزیزوں کی جانوں کو ہتھیلی پر لیکر نکل کھڑا ہوا۔ مصیبتوں کے پہاڑ اور بلاؤں کے طوفان، دشمنوں کی دھمکیاں، دوستوں کی نصیحتیں، عزیزوں کے آنسو کوئی چیز اس کے قدم کو نہ ڈگمگا سکی۔

الغرض یہ مختصر قافلہ کوفہ کے لیے رواں دواں تھا کہ راستے میں شہادت مسلم کی خبر ملی جس نے غم و غصہ کو بڑھا دیا مگر پھر بھی آپ نے واپس ہونا مناسب نہ سمجھا، آل عقیل نے واپس نہیں ہونے دیا اور سفر جاری رکھا۔ دریائے فرات کے پاس پہنچ کر ابھی پڑاؤ ڈالا ہی تھا کہ عبیداللہ ابن زیاد کی فوج نے گھیر لیا، آپ نے واپسی کا ارادہ فرمایا لیکن گورنر نے بغیر بیعت کیے واپسی کی اجازت نہیں دی اور امام حسینؓ اور ان کے ساتھیوں پر فرات کا پانی بند کر دینے کا حکم دیا۔ چنانچہ پانی پر پہرہ بٹھا دیا گیا اور اسی حال میں تین دن گذر جاتے ہیں۔

ذرا چشم تصور کے سامنے اس منظر کو لائیے کہ سورج پورے قہر و جلال کے ساتھ فضا میں شعلے برسا رہا ہے ریگزار کربلا آتش کدہ بنا ہوا ہے۔ ریت کے ذرے چنگاریوں کی طرح دہک رہے ہیں۔ انسان تو انسان پرندے بھی اپنے اپنے گھونسلوں میں جا چھپے بیٹھے ہیں لیکن ایک شخص معہ افراد کے بے آب و گیاہ میدان میں پڑا ہوا ہے۔ ان میں عورتیں بھی ہیں اور بچے بھی ہیں ان میں اس کے جانثار بھی ہیں بھتیجے بھی اور فرزند بھی، بوڑھے بھی، جوان بھی اور شیرخوار بچے بھی ہیں۔ اور یہ سب وہ ہیں جو جاہ و ثروت کے گہوارے میں پل کر جوان ہوئے تھے لیکن چشم فلک نے یہ منظر بھی دیکھا کہ جاہ و ثروت کے گہوارے کے پروردہ آج شدت پیاس سے بلک بلک کر دم توڑ رہے ہیں لیکن حق کو باطل کے آگے جھکانا گوارا نہیں کرتے گلشن اسلام کی ایک ایک کلی مرجھا رہی ہے ایک پھول قطرہ شبنم کے لیے ترس رہا ہے لیکن ظالموں کے سامنے سر تسلیم خم کرنا پسند نہیں کرتا ساقی کوثر کے اس پھول کو ماہی بے آب کی طرح تڑپایا جا رہا ہے جس کے گرنے کے خوف سے سرور کائنات کا سر سجدہ سے نہیں اٹھتا تھا۔ قربان جائیے اس ساقی کوثر کے نواسے پر جس نے شدت پیاس سے تڑپنا گوارا کیا مگر دین کو ذلیل ہوتے دیکھنا گوارا نہ کیا

(بقیہ صـ ۲۳ پر)